مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی

حضرت شاہ جی

میری عمر اس وقت ایسی ہی کچھ سولہ سترہ سال ہو گی۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ جی الحسنی البخاری لکھنؤ تشریف لا رہے ہیں۔ اور احاطہ شیخ شوکت علی مرحوم میں ان کی تقریر ہو گی۔ یہ وسیع احاطہ میرے مکان سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا۔ یہاں دارالمبلغین کی طرف سے یکم تا دس محرم وعظ کے جلسے منعقد ہوتے تھے۔ جن کا خاص موضوع شہدائے اسلام کا تذکرہ ہوتا تھا۔ لیکن تقریروں میں ہر قسم کے اسلامی مضامین بیان کئے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کو دینداری اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت و ترغیب دی جاتی تھی۔ برصغیر کے مشاہیر علماء کو بلایا جاتا تھا۔ اور ان کے مواعظ حسنہ سے مسلمانان لکھنؤ مستفید ہوتے تھے۔ حضرت شاہ جی کو بھی اسی جلسہ میں مدعو کیا گیا تھا۔ اُن کی تقریر و خطابت کی شہرت تو لکھنؤ تک بہت پہلے پہنچ چکی تھی۔ ان کی تشریف آوری کی اطلاع پا کر پبلک ٹوٹ پڑی۔ میں بھی ذوق و شوق کے ساتھ پہنچا۔ ذرا سویرے ہی پہنچ گیا تھا۔ اس لئے ڈائس کے قریب ہی جگہ مل گئی۔ تقریر بھی سنی اور شاہ جی کو قریب سے دیکھا بھی۔ تقریر شروع ہوئی تو مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ تقریر کیا تھی ایک سحر تھا جس نے چند گھنٹہ کے لئے کئی ہزار کے مجمع کو مدہوش کر دیا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ رات چھوٹی ہوتی تھی۔ رات کے دس بجے تقریر شروع ہوئی۔ تقریر ختم ہوئی اور حضرت شاہ جی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ دعا اس قدر رقت انگیز اور الحاح خیز تھی کہ "آمین" کی آوازوں میں بھی رقت و گریہ کا زیر و بم صاف محسوس ہو رہا تھا۔ ہم سننے والوں کا احساس یہ تھا کہ تقریر بہت جلد ختم ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ گزرا ہو گا۔ جب لوگوں نے گھڑیاں دیکھیں تو خبر ہوئی کہ دو بجکر کچھ منٹ آ چکے ہیں۔ اور کئی ہزار کا یہ مجمع چار گھنٹہ سے زیادہ ایک دوسرے عالم میں رہا۔ جہاں لے جا کر شاہ جی نے اسے زمان و مکان سے بے خبر کر دیا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا جب میں نے شاہ جی کا نورانی چہرہ دیکھا تھا۔ اور ان کی تقریر سنی تھی۔ تقریر کی تاثیر و لذت تو قلب محسوس ہی کر رہا تھا۔ ان کے نورانی چہرے کی طرف بھی اک کشش محسوس ہوئی اور قلب کو ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا ادراک ہوا۔ جس کا سبب غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے اخلاص اور ان کے دل کی تڑپ کا دل نے اور ان کے چہرے پر ظاہر ہونے والے نور ایمان کا ادراک آنکھوں نے کر لیا تھا۔

ان واقعات کو مدت دراز گزر چکی ہے۔ مگر حضرت شاہ جی کا تذکرہ ہوتا ہے تو محبت و عقیدت میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کشش کی کیفیت میری طرح بہتوں نے محسوس کی۔ اور ہماری خوش نصیبی تھی کہ شاہ جی اس کے بعد کئی بار لکھنؤ تشریف لائے اور اہل لکھنؤ ان کی تقریر اور ان کی زیارت سے بار بار مستفید ہوئے۔

حضرت شاہ جی صرف صاحب دل نہ تھے بلکہ عالی دماغ بھی تھے۔ اور انکا صاحب بصیرت ذہن بھی ایک

امتیازی شان رکھتا تھا۔ ان کے مخالف اور دشمن بھی ان کی اعلیٰ درجہ کی ذہانت و فطانت کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ کمال خطابت کی طرح ان کی سیاسی بصیرت بھی مشہور تھی۔ وہ تقسیم ہند کے خلاف تھے۔ انہوں نے تقسیم ہند کے جن اندوہناک نتائج و اثرات کی پیشین گوئیاں کی تھیں وہ حرف بحرف سچی ثابت ہوئیں۔

شاہ جی نے پاکستان میں مسلمانوں کے باہمی جدال وقتال اور خون خرابہ کی پیشین گوئی کی تھی۔ وہ ہم سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دیکھنے والوں میں خاصی تعداد ان لوگوں کی ہو گی جنہوں نے شاہ جی کی زبان سے یہ بات سنی ہو گی۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ جی بخاری کا شمار ہندوستان کے صف اول کے سیاسی قائدین میں ہوتا تھا۔ ساری عمر وہ آزادی ہند کے لئے انگریزوں سے لڑتے رہے۔ لیکن ان کی سیاست خالصتہً دینی سیاست تھی۔ تحریک آزادی ہند میں حصہ لینے سے ان کا اصل مقصد یہ نہیں تھا کہ آزاد ہو کر ہندوستان بہت دولت مند ہو جائے گا یا اس کی صنعت و تجارت ترقی کر جائے۔ بلکہ انکا اصل مقصد اسلام کا فروغ، اور دینداری اور تقویٰ کو رواج دینا، دین کی حفاظت و اشاعت کرنا اور اس پر عمل کرنے میں مسلمانوں کا آزاد ہونا تھا۔ اگر تقسیم نہ ہوئی ہوتی تو حصول آزادی کے بعد وہ ملک میں اصلاح نفس اور حصول تقویٰ کے کام بھی اسی شدت کے ساتھ کرتے۔ جس شدت کے ساتھ انہوں نے آزادی حاصل کرنے کا کام کیا تھا۔ وہ ایک آزاد اور متحدہ ہندوستان بنانے کے لئے کوشاں تھے۔ اس کوشش کا اصل محرک اعلائے کلمتہ اللہ کا جذبہ تھا۔ جو دیندار سیاسی قائدین خصوصاً علماء اس وقت تقسیم ہند کے مخالف تھے۔ ان سب کو ظن غالب قرب بہ یقین تھا کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوں گے۔ ان کا یہ یقین مبنی بر دلیل تھا اور تقسیم کے بعد کے حالات نے بتا دیا کہ ان کا یہ اندازہ بالکل صحیح تھا۔ حضرت شاہ جی بھی یہی یقین رکھتے تھے۔ اور یہی ایک وجہ ہے جس کی بناء پر وہ تقسیم کے مخالف اور متحدہ آزاد ہندوستان کے خواہشمند تھے۔ حضرت شاہ جی کا ایک واقعہ سنا کر مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ وہ واقعہ بہت نصیحت خیز ہے۔ اس لئے اسے لکھے بغیر قلم روکنے کو جی نہیں چاہتا۔

انگریزی دور تھا۔ حکومت انگلشیہ نے قتل کا ایک جھوٹا مقدمہ شاہ جی کے خلاف چلا دیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس گواہ کی شہادت پر ثبوت جرم کا دارومدار تھا اس نے عدالت میں پہنچ کر اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ پولیس نے دباؤ ڈال کر مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا تھا۔ مگر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی ایسے بڑے شخص پر بہتان باندھنا بہت ہی بری بات ہے۔ اس لئے میں اقرار کرتا ہوں کہ میرا سابقہ بیان غلط تھا اور حضرت شاہ جی اس جرم سے بالکل بری ہیں۔ یہ گواہ اگرچہ ہندو (لدھارام) تھا مگر شاہ جی کی شخصیت سے متاثر ہوا۔ اور سچی بات کہہ دی۔ شاہ جی باعزت طریقے سے رہا ہو گئے۔ اور مقدمہ کا جھوٹا ہونا سارے ملک پر ظاہر ہو گیا۔ حکومت برطانیہ اور پولیس سب کی نظروں میں ذلیل ہو گئی۔ رہائی کے بعد بہت سے لوگ حضرت شاہ جی کو مبارک باد دینے کے لئے آئے۔ شاہ جی کے گھر کا خاکروب بھی مبارک باد دینے آیا۔

جو بھی آتا تھا شاہ جی اس سے گلے ملتے تھے۔ مہتر نے دور سے کھڑے ہو کر مبارک باد دی اور قریب آنے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ شاہ جی نے اسے بلایا تاکہ اس کے بھی گلے ملیں۔ مگر وہ تو اس اعزاز کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ کر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ شاہ جی نے اس سے کہا کہ "میں مسلمان ہوں اور اسلام میں ذات پات کی، اونچ نیچ کوئی چیز نہیں۔ سب انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں یکساں ہیں۔ اونچا صرف وہ ہے جو تقویٰ میں اونچا ہو۔ خواہ کسی نسل و قوم کا ہو"

یہ کہہ کر آگے بڑھے اور اسے گلے لگا لیا۔ وہ شکر گزار ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن مع اہل و عیال آ کر حضرت شاہ جی کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گیا۔ شاہ جی کے اس قسم کے واقعات اور بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ جی کا ذہن فضیلت نسب کے تصور اور نسلی غرور و پندار سے بالکل پاک تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کو ایمان نصیب ہو گیا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ انسانی برادری کی معتد بہ تعداد کو جو جہنم کے کنارے پہنچ چکی تھی اور اس میں گرنے ہی والی تھی انہوں نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور جنت کے دروازے پر لا کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب و درجات جنت میں بلند فرمائے۔ دین اسلام اور انسانیت دونوں کی یہ کتنی عظیم خدمت انہوں نے انجام دی ہے۔

اخلاص اور للہیت انکا مزاج تھا۔ جو کچھ کرتے تھے رضائے الٰہی کے لئے کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کبھی خواص یا عوام کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ ان کی بصیرت کا فیصلہ یہ تھا کہ تقسیم ہند اور پاکستان بننا مسلمانوں کے لئے مضر ہے۔ وہ آخر تک تقسیم کو روکنے کی کوشش کرتے رہے انہوں نے اس کی قطعاً پروا نہیں کی کہ عوام کی ایک بڑی تعداد بلکہ اکثریت ان سے اختلاف رکھتی ہے۔ وہ اپنے دور کے عظیم انسان تھے۔ ساری عمر انہوں نے اسلام کی خدمت و نصرت میں بسر کی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم سب اہل سنت کی طرف سے انہیں اس کا اجر جبر نیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ختم رسالت کا مبلغ

بچھڑے ہوئے گو تجھ سے ہوا ایک زمانہ
سینوں میں کھلے ہیں تیری یادوں کے چمن زار

تو ختم رسالت کا مبلغ ہے وہ جس پر
اس ملک کے شاہد ہیں سبھی کوچہ و بازار

گلشن کی مہک تھی تیری ہستی کی عبارت
بلبل کی چہک تھی وہ تیری خوبیٔ گفتار

کی تو نے سدا خرقۂ سالوس سے نفرت
درویش تھا رکھتا تھا شہنشاہ کے آثار

مسعود تابش

مولانا قاضی محمد شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ (درویش)

امیر شریعت اور فرنگی خانقاہ کے درویش

حضرت مولانا محمد خان محمد صاحب مدظلہ (کندیاں شریف) جس زمانہ میں دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ (ضلع سرگودہا) میں متعلم تھے۔ اس زمانہ میں جامع مسجد بھیرہ کی تولیت پر مولانا محمد یحییٰ بگوی اور مولانا ظہور احمد بگوی کے درمیان یار لوگوں نے تنازعہ پیدا کر دیا۔ مولانا ظہور احمد بگوی نے اپنا شرعی ثالث حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بنایا اور مولانا محمد یحییٰ صاحب نے صاحبزادہ قمر الدین صاحب سیالوی کو اپنا ثالث بنایا۔ سیالوی صاحب بوقت ضرورت خود تشریف نہ لاسکے مگر اپنی طرف سے صاحبزادہ سعد اللہ صاحب کو بھیج دیا۔ یہ صاحبزادہ سعد اللہ صاحب ضلع سرگودہا میں سرکار برطانیہ کے خاص سرکاری درباری آدمی تھے۔ اور آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ جب یہ حضرات بھیرہ میں جمع ہوئے تو ان کے طعام کی خدمت پر حضرت مولانا خان محمد (مدظلہ) مقرر تھے۔ حضرت مولانا بیان فرماتے ہیں کہ صبح کی چائے کے دوران صاحبزادہ سعد اللہ صاحب نے ایک سفید کاغذ حضرت امیر شریعت کو پیش کیا۔ اور کہا کہ آپ اس کاغذ پر صرف "سید عطاء اللہ شاہ بخاری بقلم خود" تحریر فرما دیں۔ تو اس کے اوپر میں صرف ایک سطر یہ لکھ دوں گا کہ "میں آئندہ حکومت برطانیہ کی مخالفت نہیں کروں گا" اگر آپ ایسا کرنا منظور فرمائیں تو میں آپ کو بیس مربع آباد نہری زمین آج ہی دلا دیتا ہوں۔ اس سے آپ کی سات پشتیں مزے کریں گی اور آپ بھی شہر شہر پھرنے سے بچ جائیں گے۔ زندگی آرام و آسائش سے کٹے گی۔ اور آپ کی اس خدمت کے صلے میں مجھے بھی تین مربع نہری زمین مل جائے گی۔

حضرت امیر شریعت مسکرائے اور صاحبزادہ سعد اللہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صرف اتنا فرمایا۔

"جی ہاں سائیں! آپ ہوئے جو فرنگی خانقاہ کے درویش!"

اور اب صاحبزادہ صاحب کا یہ حال تھا کہ بقول غالب

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

مجھے کب تک آزماؤ گے؟

حضرت امیر شریعت کے جاں نثار ساتھی حضرت مولانا عبد الرحمٰن میانوی نے سنایا کہ حضرت شاہ جی کو جو کچھ مالی فتوحات ہوتی تھیں۔ آپ گنتے نہ تھے۔ بلکہ کرتے کے لمبے سے بغلی جیب میں ڈال لیتے تھے۔ اور یہ حضرت کا ساری عمر کا معمول تھا۔ مولانا میانوی فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ شاہ جی آپ روپے پیسے گنتے نہیں؟ فرمایا بالکل نہیں جو آتا ہے جیب میں ڈال لیتا ہوں۔ ضرورت پڑتی ہے تو حسب ضرورت نکال کر دے دیتا ہوں۔

پھر فرمایا۔ جب سے میں نے سورۂ ہمزہ کی آیت

جمع مالاً وّعدده

پڑھی ہے۔ پیسے گننے چھوڑ دیئے ہیں۔ اور نہ گننے کے باوجود اللہ تعالیٰ میری جیب خالی نہیں ہونے دیتا۔

مولانا میانوی فرماتے تھے کہ جب شاہ جی یہ فرما چکے تو جانے میرے دل میں کیا خیال آیا اور مجھے کیا سوجھی کہ میں نے ایک روز چپکے سے شاہ جی کی جیب سے چونسٹھ (۶۴) روپے نکال لئے اور شاہ جی کو پتا بھی نہ چلا۔ اب اس بات کو ایک عرصہ ہو گیا اور شاہ جی کو اس حرکت کا شائبہ تک نہیں گزرا تو مجھے سخت ندامت اور پریشانی ہونے لگی کہ اب کیا کیا جائے؟ آخر ایک روز میں نے جی کڑا کر کے حضرت سے تنہائی میں کہا کہ حضرت یہ کچھ پیسے ہیں آپ قبول فرمالیں۔ شاہ جی اچانک اس "التفات" پر حیران ہوئے اور شگفتہ انداز میں فرمایا۔ "حضرت سخی سرور صاحب یہ تو کہیئے یہ کیسے روپے ہیں؟ آج کا ہے کو عنایات ہو رہی ہیں؟" میں نے کہا۔ "شاہ جی کوئی خاص بات نہیں۔ بس آپ یہ قبول فرمائیں" لیکن شاہ جی اس خلافِ معمول عمل کا پس منظر جاننے پر مصر ہو گئے۔ میرا گریز و انکار کچھ کام نہ آیا۔ فرمانے لگے صاف بتاؤ بات کیا ہے؟ لاچار میں نے عرض کی کہ شاہ جی ایک دفعہ میں نے آپ سے سنا تھا کہ آپ پیسوں کا حساب نہیں رکھتے اور میں نے یونہی ذرا آزمانے کو موقع پا کر آپ کی جیب سے چونسٹھ روپے نکال لئے۔ ایک عرصہ ہو گیا ہے کہ میں نادم بھی ہو رہا ہوں اور جرأت بھی نہیں کر پا رہا کہ آپ سے یہ ساری حقیقت کہہ ڈالوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف فرما دیجئے۔ اور اپنے پیسے بھی لے لیجئے۔

مولانا میانوی فرماتے کہ جب میں نے شاہ جی کو پیسے لوٹانا چاہے تو شاہ جی یکبارگی متحیر سے ہوئے اور پھر کھلکھلا کر فرمایا "میانوی کب تک مجھے آزماتے رہو گے" اور یہ کہہ کر پیسے لینے سے انکار کر دیا۔ پھر مسکرا کر فرمانے لگے۔

"یہ چوری کا مال میں تو لینے سے رہا۔ اب تمہی استعمال کر لو"

یہ سنا کر مولانا میانوی اشک بار ہو جاتے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے توکل کی اور پاک باطنی کی۔

نوجوانوں کے نام

"وہ نوجوان جو جدید تعلیم سے آراستہ ہیں اگر دین کی طرف آجائیں تو تبلیغِ دین زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ ہم مولویوں نے دین کو محفوظ رکھا۔ کیا یہی کم ہے۔ اب تم لوگ اسے سنبھالو اور دُور دُور تک پہنچا دو"۔

(امیرِ شریعت)

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

مولانا محمد صدیق ولی اللہیؒ
تلمیذ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی

قرآن کا پرجوش مبلغ

حضرت مولانا محمد صدیق ولی اللّہیؒ، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔ عمر عزیز کی نوے بہاریں ان کے مشاہدہ میں ہیں۔ ضعف و ناتوانی کے باوجود بیدار مغز اور چاق و چوبند ہیں۔ فکر ولی اللّہیؒ کی ترجمانی کا فریضہ نہایت بے باکی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ بلا کا حافظہ پایا ہے۔ اپنے مرشد و استاد مولانا عبید اللہ سندھی کی عبارتیں انہیں ازبر ہیں وہ ان کی کتابوں کے کئی کئی صفحات ایک ہی سانس میں سنانے پر قادر ہیں۔
ذیل میں ان کی ایک مختصر سی تحریر ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے جو انہوں نے ایک نشست میں املاء کرائی۔ یہ تحریر دراصل حضرت امیر شریعت کی مجاہدانہ زندگی پر ان کے بھرپور تاثر کی عکاس ہے۔ (کفیل)

حضرت امیر شریعت سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۱ء میں دہلی میں ہوئی۔ قرآن کریم پر ان کے ایک طویل لیکچر سننے کا اتفاق ہوا۔ برصغیر کی آزادی کی جدوجہد کے حوالے سے شاہ جی کے جذبات اور نصب العین سے مستفید ہوا جو ان کی عمر کا بہترین سرمایہ تھا۔ وہ تادم مرگ انہی خیالات اور جذبات کو ملک کے کونے کونے تک پہنچاتے رہے۔ وہ ابتدائی عمر سے ہی ذکی الطبع اور سمجھ بوجھ والے جفاکش اور محنتی واقع ہوئے تھے۔ شاہ جی کی پاکیزہ اور بے داغ جوانی کا ان کی شخصیت کی تکمیل میں بڑا دخل تھا۔ ان کا تمام زمانہ طالب علمی استقامت اور اعتدال سے مزین رہا علمی مشاغل میں غایت درجہ کا انہماک اور بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ان کی استقامت اخلاص اور للہیت کی بناء پر ان سے مانوس تھے حضرت علامہ انور شاہ رحمہ اللہ نے ان کو تبلیغ کے میدان میں خاص طور پر مرزائیت کی تردید کی طرف توجہ دلائی اور لاہور کے ایک بڑے اجتماع میں شاہ جی کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی اور انہیں امیر شریعت منتخب کیا اس کے بعد وہاں پر موجود پانچ سو علماء نے بھی بیعت کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو آنے والے حالات کا شدید احساس تھا۔ جو مستقبل میں ہونے والا تھا وہ ان کی چشم تصور میں واشگاف تھا۔ وہ ان امور پر گفتگو کرتے کرتے بے اختیار ہو جاتے۔ وقتی طور پر ان کے عقیدت مند ان کی باتیں ماننے کو تیار نہ ہوتے تو شاہ جی ان پر برس پڑتے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ آخر کار جب وہی نتائج لوگوں کے سامنے آتے تو وہ سب کچھ ماننے پر مجبور ہو جاتے۔ شاہ جی نے فرمایا بنگال پاکستان سے جدا ہو جائے گا قومی تعصب بڑھتا چلا جائے گا۔ اور لوگ اسلام سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ کشمیر کی تحریک میں شاہ جی نے

۱۹۳۱ء میں نمایاں کردار ادا کیا لاہور اور سیالکوٹ کے علاوہ پنجاب کے تمام بڑے شہروں سے احرار رضاکاروں کے قافلے کشمیر میں داخل ہوتے، میں بھی شاہ جی کی تقریر سننے کے بعد لاہور سے ایک قافلے کے ساتھ کشمیر روانہ ہوا اور مجلس احرار کی برپا کردہ تحریک آزادی کشمیر میں حصہ لیا۔ جس کے نتیجہ میں ظالم ڈوگرہ شاہی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ قادیان میں مجلس احرار کے دفتر میں چھ ماہ قیام کیا اس وقت تاج الدین انصاری مرحوم اور مولوی عنایت اللہ چشتی آف چکڑالہ احرار کے دفتر میں رہتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں قادیان میں احرار تبلیغ کانفرنس میں شاہ جی کی گرجدار تقریر سنی۔ جس نے قادیانی ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا اس کانفرنس میں پانچ لاکھ افراد کو شاہ جی نے خطاب کیا۔ یہ کانفرنس قادیان سے باہر ایک ہائی سکول کے پنڈال میں ہوئی۔ شاہ جی مجسمہ اخلاق تھے اور ان کے خلق کریم نے ان کے سیاسی حریفوں کو بھی ان کے سامنے زیر کر دیا تھا۔

بقول اقبال:

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
راز داں پھر نہ کوئی پیدا کرے گی ایسا

مسلمانوں کے زوال اور انحطاط پر شاہ جی کا دل کڑھتا تھا اور وہ شب و روز اسی فکر میں غلطاں رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمان اس انحطاط اور زوال سے نکلیں جس کا واحد نسخہ قرآن کی حکمت ہے جب اپنے پاس قرآن جیسا مکمل اور انقلابی پروگرام ہے تو دوسروں کی چوکھٹوں پر بھیک نہیں مانگنی چاہیئے۔ شاہ جی نے امام شاہ ولی اللہ کا قول

فک کل نظام

پیش کرتے ہوئے امام ولی اللہ کی پیشین گوئی کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ان کی اولاد کے پہلے طبقے سے علم حدیث کو فروغ ملے گا اور دوسرے طبقے میں علم و حکمت کی اشاعت ہوگی۔ چنانچہ امام عبدالعزیز سے حدیث کا شیوع ہوا اور مولانا رفیع الدین کی "تکمیل الاذہان" اور شاہ اسماعیل شہید کی "عبقات" سے حکمت کے ایک نئے اسکول کی طرح پڑی نیز امام ولی اللہ نے فرمایا تھا کہ ان کے بیٹوں کی اولاد سے ایسے افراد پیدا ہونگے جوان کے بیٹوں کے بعد ان کے کام کو آگے بڑھائیں گے۔ "الصدر الحمید" مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب حضرت شاہ ولی اللہ کی اس پیشین گوئی کا مصداق بنے۔ شاہ ولی اللہ نے "فیوض الحرمین" میں لکھا ہے کہ خلافت کی دو قسمیں ہیں۔ خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ امام ولی اللہ کی جماعتی تنظیم اور جدوجہد سے مراد باقاعدہ حکومت کی تشکیل ہے اور جس کے نتیجے میں یہ باقاعدہ حکومت بروئے کار آتی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا جو دور زندگی تھا خلافت باطنہ کا نام دیا خلافت ظاہرہ کے قیام کے لئے تشدد اور محاربہ ضروری ہوتا ہے۔ حالانکہ خلافت باطنہ کا دور عموماً عدم تشدد کا ہوتا ہے اس کے بعد شاہ جی نے فرمایا مجھے انگریز سے نفرت ہے۔ قرآن سے محبت ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں قرآن کی تعلیم کو عام کیا جائے۔

عقیدہ ختم نبوت سے کامل آگاہی علامہ انور شاہ کشمیری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی کوششوں کا ہی

نتیجہ ہے۔ آج مجھے نہایت خوشی ہے کہ حضرت امیر شریعت کے فرزند اور ان کی جماعت مجلس احرار قرآن کریم کی تعلیم و تبلیغ کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل وقف کئے ہوئے ہیں۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری کی سرپرستی میں ملک بھر میں بارہ دینی مدارس اس مشن کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ ایک تبلیغی سیاسی اور تحقیقی مجلہ ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" صحافتی محاذ پر مصروف جہاد ہے۔ عصر حاضر میں دین اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے فتنوں مرزائیت اور رافضیت و سبائیت کی تردید و مذمت میں اپنا سب کچھ قربان کئے ہوئے ہیں۔ اس جدوجہد میں وہ شخصیت پرستی کے باطل نظریہ کے سبب پیدا ہونے والے عقیدتوں کے بتوں کو پوری جرأت کے ساتھ مسمار کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر شریعت کے فرزندوں اور ان کی جماعت مجلس احرار اسلام کی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرے (آمین)

دو مظلوم
قرآن اور بخاری

جنوری ۱۹۴۸ء میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ حضرت امیرِ شریعت رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے خان گڑھ تشریف لے گئے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب انہیں شاہ جی کے مکان پر لے چلے۔

مردانِ خانہ کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ شاہ جی دھوپ میں بیٹھے قرآنِ پاک کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔

نواب زادہ نصر اللہ خاں نے شاہ جی کو خاص کیفیت میں مصروفِ مطالعہ پا کر۔۔۔۔۔ بے اختیار کہا۔۔۔۔ قاضی جی!۔۔۔۔ وہ دیکھو دو مظلوم!۔۔۔۔۔

"قرآن اور بخاری"

ایک لاوارث مصحف! اور ایک معتوب روزگار انسان!

دونوں ہی انسانیت کی گمراہی پر ملول ہیں

ایک جھکا ہوا

ایک پھٹا ہوا

(روایت: ادیب الاحرار منور غوری مرحوم)

مولانا عبد الحق چوہان

جہاد آزادی کا ہیرو

استخلاص وطن کی تحریک کے عظیم مجاہد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ مرتب کر کے نئی نسل کو ان کے پر عظمت کارناموں سے روشناس کرانا ایک اہم فریضہ ہے۔ خصوصاً اس دور میں تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کا مکروہ کام سرکاری سرپرستی میں ہو رہا ہے اور قوی ذرائع ابلاغ اور تعلیمی نصاب کے توسط سے یہ مذموم تاثر پیدا کرنے کی سعی ناتمام کی جارہی ہے کہ جنگ آزادی کے ہیرو صرف اور صرف تین ہیں۔ سر سید احمد خان، علامہ اقبال اور محمد علی جناح جو سراسر جانب داری اور جھوٹ "پروری" کا انوکھا شاہکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معرکۂ استخلاص وطن کے اعتبار سے حضرت شاہ جی کا تعلق جن مجاہدین مخلصین کے ساتھ ہے اس کے اخلاص بے نفسی کا مرکزی نکتہ یہ تھا۔

"چوں اہل ریاست و سیاست درزاویہ خمول نشستہ اند ناچار چندے از اہل فقر و مسکنت کمر ہمت بستہ ایں جماعت ضعفاء محض بنا برخدمت دین رب العالمین۔ ہر گز ہر گز از دنیا داراں جاہ طلب نیستند محض بنا برخدمت دین رب ذوالجلال برخاستہ اند، نہ بنا بر طمع و منال وقتے کہ میدان ہندوستان از بیگانگان دشمنان خالی گرویدہ و تیر سعی ایشان بر ہدف، مراد رسیدہ آئندہ مناصب ریاست و سیاست بطالبین آں مسلم آباد"

ترجمہ۔ جب حکومت و سیاست کے مرد میدان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گئے اس وقت چند غریب بے سر و سامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ یہ اللہ کے بندے ہر گز دنیا اور جاہ طلب نہیں ہیں محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اٹھے ہیں مال و دولت کی ان کو ذرا بھر طمع نہیں جس وقت ہندوستان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانوں تک پہنچ جائے گا۔ حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے جن کو ان کی طلب ہو گی۔

خطوط امیر المومنین حضرت سید احمد شہید۔ بحوالہ نقش حیات۔ ص ۱۳

یہ ہے ان حضرات کا دستور اساسی جن کے ساتھ شاہ جی رحمہ اللہ اپنی وابستگی کا اظہار ان الفاظ سے فرماتے تھے

"میں ان علماء حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ رب ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے وہ شروع ہی سے تماشائی ہیں اور تماشہ دیکھنے کے عادی ہیں اس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں۔ سید احمد شہید کی غیرت کا نام لیوا اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جرأت کا پانی دیواہوں میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ

زنجیر صلائے امت کے لشکر کا ایک خدمت گار ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں ہاں میں انہی کی نشانی ہوں انہی کی صدائے بازگشت ہوں میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں قاسم نانوتوی کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کو کفنانا یا دفنانا!

"ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے میرا یہی شجرہ نسب ہے میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔"

یہ جوہر خطابت محض لفاظی نہیں اور نہ ہی شعراء کی طرح محض تخیل کی پرواز بلکہ یہ حقیقت اور امر واقعی کا اظہار ہے آپ واقعی ان ذوات قدسی صفات کے مشن کو زندہ رکھنے والے اور ان کی شروع کردہ تحریک استخلاص وطن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے تھے۔

آپ کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ آپ بے مثل خطیب تھے۔ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آپ واقعی اسی طرح تھے لیکن آپکا اصلی جوہر اور کارنامہ یہ نہیں تھا بلکہ آپ انقلاب پرور شخصیت کے مالک تھے اور اسلامی انقلاب لانے والی شخصیت کے لئے جن شرائط کا ہونا ضروری ہے وہ آپ کی ذات میں بطریق اتم موجود تھیں۔ اجمالی طور پر ان شرائط کا ذکر کرتا ہوں اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ اسلام پیغمبر اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ اس کا تعلق محض فکر اور تصور کے لحاظ سے نہ ہو بلکہ یہ تعلق حب الہی کی بے پناہی اور درجہ کمال کو پہنچا ہو اور ایسی والہانہ محبت کہ اس راہ میں جو تکالیف اور مصائب پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

اب اس شرط کو پیش نظر رکھ کر آپ کے لمحات حیات کا تجزیہ کریں تو آپ کی نشست و برخاست میں اس عشق کا جلوہ نمایاں طور پر نظر آئے گا۔ قرآن مجید سے محبت کے متعلق تو آپ کا مقولہ مشہور ہے کہ "مجھے ایک چیز سے محبت ہے وہ ہے قرآن"۔ اور یہ حب قرآن ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ آپکی تلاوت قرآن مجید پر ہر شے وجد کی حالت میں نظر آتی تھی۔ اس میں صرف مسلمانوں کی خصوصیت نہ تھی بلکہ کفار اشرار پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور کافر بھی آپ کی تلاوت کے مشتاق رہتے تھے۔ تلاوت کی یہ تاثیر آپ کے حب قرآن مجید کی ترجمان تھی۔

محبت رسول کی حالت بھی اس طرح تھی۔ راجپال نے جس وقت اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" (خاکش بدہن) شائع کی تو آپ پر ماہی بے آب جیسی حالت طاری ہو گئی آپ نے ایک احتجاجی جلسہ میں فرمایا۔

"دیکھو دیکھو سبز گنبد میں رسول اللہ تڑپ رہے ہیں خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں امہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں عائشہؓ پکارتی ہیں وہی عائشہؓ جنہیں رسول اللہ پیار سے حمیرا کہا کرتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ (فداہ امی و ابی) کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ ان کے ناموس پر قربان ہو جاؤ سچے بیٹے

مال پر کٹ مرتے ہیں۔"

آپ نے احتجاجی جلسوں میں حکومت سے سخت مطالبہ کیا کہ بانیان مذہب کے تحفظ کے لئے قانون نافذ کیا جائے امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی احتجاجی تقریر کی وجہ سے جیل جانا پڑا اور ایک سال تک پابند سلاسل رہے لیکن آپ کے ان غیرت و محبت بھرے الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ راجپال ملعون کو غازی علم دین نے واصل جہنم کیا۔ حب قرآن اور حب رسول کا ایک واقعہ متقدمین حضرات میں شیخ ابوبکر محمد بن الفضل کے متعلق بھی اس طرح تھوڑے سے تغیر کے ساتھ کتابیہ شرح ہدایہ میں مذکور ہے ایک شخص آپکے پاس ایک فتویٰ لے کر آیا کہ کیا قرآن مجید ہم بچوں کو فارسی میں پڑھا دیا کریں؟ آپ نے سائل سے فرمایا پھر واپس آنا میں ذرا غور کر لوں۔ پھر اس کے بعد سائل کے حالات کی تحقیق فرمائی تو وہ فساد مذہب میں مشہور تھا آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے سوال کا مقصد تلعب بالدین ہے تو آپ کے عشق کی چنگاری بھڑک اٹھی (دین کو کھلونا سمجھ رکھا ہے)

فاعطی لواحد من خدام سکینا فقال اقتلہ بھذا

ترجمہ۔ اپنے ایک خادم کو چھرا دیا اور فرمایا کہ اس شخص کو اس سے قتل کر دو۔

خادم نے عرض کیا کہ اگر پولیس کے ہاتھ آجاؤں تو پھر کیا کروں اب شیخ کی جرأت ایمانی کا اندازہ کرو اور جس کو میں پیش کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا۔

ومن اخذک بہ فقل ان فلانا امرنی بہ نفعل

ترجمہ۔ اگر تجھے کوئی پکڑے تو کہہ دینا فلاں شخص نے مجھے اس کا حکم دیا تھا

اس خادم نے ایسا ہی کر دیا اور قتل کا مقدمہ شیخ کے سر پر آگیا۔

فجا الشو استواطی الیہ وقال ان الامیر یدعوک مذہب الشیخ الیہ وقال ان ہذا کان یرید ان یبطل کتاب اللہ فخلع لہ الامیر وجازاہ بالخیر

ترجمہ۔ سپاہی ان کے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو بلایا ہے۔ شیخ گئے اور سارا قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ شخص اللہ کی کتاب کو باطل کر دینا چاہتا ہے۔ امیر نے آپ کو خلعت اور نیک صلہ عطا کیا۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص اس واقعہ کو فقہ کی ایک جزئی سمجھے لیکن عرض یہ ہے کہ اس فقہی جزئی میں عشق کی تجلی جلوہ نما ہے اس لئے مفتی کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ براہ راست کسی کو قتل کرا دے۔

یہ تو ایجابی شرط سلبی شرط یہ ہے کہ اسلام کے مقابل جو نظام بھی ہو اس سے اسی عشق مفرط کے لحاظ سے حد سے زیادہ نفرت ہو، حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اندر یہ شرط بھی بطریق اتم موجود تھی اس وقت اسلام کے مقابل فرنگی نظام موجود تھا آپ فرنگی نظام سے اپنے تنفر کا اظہار اس طرح فرماتے تھے۔

"میں ان سوروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں میں کچھ نہیں چاہتا ایک فقیر ہوں اپنے نانا کی سنت پر مرمٹنا چاہتا ہوں۔ اور اگر کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے

انگریز کا انخلاء دو ہی خواہشیں ہیں میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں تختہ دار پر لٹکا دیا جاؤں"
ان شرائط کے ساتھ ساتھ جرأت ایمانی بھی ضروری ہے وہ بھی آپکے اندر موجود تھی۔ ویسے تو کئی واقعات ہیں میں صرف ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں جس کو شیخ حسام الدین رحمہ اللہ نے غبار کارواں میں نقل کیا ہے۔

امرتسر کے بندے ماترم ہال میں ایک جلسے کا اہتمام ہوا جس میں مرزا بشیر الدین محمود کو شریک ہونا تھا چنانچہ پولیس کا انتظام بھی بے حد وسیع تھا لوگ بھی بڑی تعداد میں جمع تھے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا لیکن مرزا بشیر الدین محمود کے لئے چائے کا انتظام تھا وہ سٹیج کی اوٹ میں چائے نوشی کا لطف اٹھانے لگے ان کی اس حرکت سے لوگوں میں بڑی سرگوشیاں ہونے لگیں بلکہ ان میں ایک نفرت سی ابھرنے لگی۔ خیر اجلاس کا آغاز ہوا۔ مرزا صاحب میر محفل بنے بیٹھے تھے۔ ایک مبلغ روشن دین نے تلاوت قرآن پاک شروع کی۔
اچانک پچھلی صفوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفیں چیرتے ہوئے دیوانہ وار اسٹیج کی جانب لپک رہے تھے۔ ان کے چہرے پر جلال کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ از خود ان کے لئے راستہ بنانے لگے جب وہ اسٹیج سے کچھ فاصلے پر تھے تو ان کی آواز کا شعلہ فضا میں لپکا اور یہ الفاظ گونجنے لگے۔
ٹھہرو! تم قرآن پاک کی غلط تلاوت کر رہے ہو۔ خدا سے ڈرو! مرزا بشیر الدین محمود کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں ۔ اتنے میں پولیس اسٹیج کے قریب آگئی اور مرزا صاحب کو گھیرے میں لے لیا لوگوں میں ایک افراتفری سی پھیل گئی نعرہ ہائے تکبیر گونجنے لگے۔ اور آن کی آن میں تمام جلسہ تتر بتر ہو گیا۔
یہ ہے آپ کی جرأت ایمانی کی تصویر۔ انقلاب کے انہی شرائط کے تحقق کی وجہ سے حجتہ الاسلام محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ جن کا تعارف حکیم مولانا عبد الحئی صاحب نے "نزہتہ الخواطر" میں ان الفاظ سے فرمایا ہے۔

فاشتغل بتدريس سنن الترمذى وصيحح البخارى۔ وانتهت اليه رياسته تدريس الحديث فى الهند وبقى مشتغلا به مدة ثلاث عشرة سنة فى تحقيق واتقان

ترجمہ: سنن ترمذی اور صحیح بخاری پڑھاتے رہے۔ ہندوستان میں تدریس حدیث کے مدار بن گئے اور تیرا سال تک تحقیق و اتقان (کے ساتھ یہ مشغلہ جاری رکھا) اسی سید السند نے پانچ سو مشاہیر علماء کے سامنے آپکے دست حق پرست پر بیعت جہاد فرمائی اور آپ کو "امیر شریعت" کا لقب عطا کیا۔
آپ کی انقلابی جدوجہد سے ۱۹۵۳ء میں مقدس تحریک ختم نبوت چلی تو یہ آپ ہی کی محبت کا ثمرہ تھا کہ تیرہ ہزار شمع نبوت کے پروانوں نے خندہ پیشانی سے جام شہادت نوش فرمایا۔
امیر شریعت رحمہ اللہ کی زیارت کا شرف پہلی بار مجھے اپنی بستی میں حاصل ہوا۔ 1951ء کی بات ہے کہ بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں مدرسہ شمس العلوم کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی تقریر تھی میں اپنے والد مرحوم کی معیت میں آپ سے ملنے گیا۔ حسن اتفاق کہ انہیں ایام میں

حضرت خواجہ میاں عبدالرحمن رحمہ اللہ سجادہ نشین درگاہ عالیہ بھر چونڈی شریف ضلع سکھر بھی بستی میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی جس وقت تقریر شروع ہوئی تو حضرت صاحب بھی دوران تقریر جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور جلسہ گاہ کی آخری صف میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت امیر شریعت کے شدید اصرار پر آپ سٹیج پر تشریف لائے۔ پوری تقریر میں ان کی آنکھیں اشکبار رہیں۔ اختتام جلسہ پر حضرت صاحب اپنی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے اور حضرت امیر شریعت اپنی جگہ پر عشاء کے وقت حضرت صاحب نے مولانا صالح محمد صاحب مرحوم کے توسط سے حضرت شاہ جی سے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کیا اور حضرت شاہ جی نے بصد مسرت ملاقات پر آمادگی ظاہر فرمائی اور حضرت صاحب شاہ جی کی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے اور رات کا اکثر حصہ آپ نے حضرت شاہ جی کی معیت میں گزارا۔ اس ملاقات میں کیا گفتگو ہوئی اور کیا مسائل زیر بحث آئے؟ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کیونکہ تیسرا کوئی شخص بھی شریک مجلس نہیں تھا۔ اور نہ ہی کسی کو شرکت کی اجازت تھی۔ اس ملاقات کے بعد یہ دیکھا گیا کہ حضرت صاحب حضر و سفر میں ایک صندوقچہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ احقر بھر چونڈی شریف میں مقیم تھا اور حضرت صاحب کہیں سفر پر جارہے تھے حسب معمول وہی صندوقچہ آپ کے ساتھ تھا سفری سامان کے باعث یا کسی اور سبب سے حضرت صاحب نے وہی صندوقچہ مجھے دیا کہ فی الحال اس کو کہیں رکھ دو۔ واپسی پر مجھے دے دینا۔ میں اپنی اقامت گاہ پر وہ صندوقچہ لے گیا اور وہاں جا کر اس کو کھولا وہ صندوقچہ تمام کا تمام مرزائیت کی تردید کے لٹریچر سے بھرا ہوا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مرزائیت کے متعلق حضرت صاحب کا مطالعہ حضرت امیر شریعت کی اس ملاقات کا نتیجہ تھا جو کہ بستی مولویاں میں ہوئی تھی۔ معلوم نہیں کہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی اس طرح کی تبلیغی محافل کے متاثرین کی کیا تعداد ہو گی؟

زمانہ طالب علمی میں میں ملتان میں پڑھتا تھا مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ایک اشکال ذہن میں پیدا ہو گیا میں اسی حالت میں تھا کہ قاسم العلوم کے جلسہ پر مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک والے تشریف لائے۔ میں اس خیال سے کہ مولانا کے سامنے اپنے اشکال کا اظہار کر کے تشفی کروں گا۔ جب میں مدرسہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولانا حضرت امیر شریعت سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہاں حاضر ہوا تو شاہ جی نے دریافت فرمایا کہ اس الماری سے تدوین حدیث اٹھا دو اس شخص نے کتاب اٹھا دی تو آپ نے فرمایا یہ کتاب خرید کر لو اور اس کا بار بار مطالعہ کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اشکالات دور ہو جائیں گے میں نے اسی دن وہ کتاب خرید لی اور اس کا بار بار مطالعہ کیا۔ میرا وہ اشکال تو اس کتاب سے حل نہ ہو سکا البتہ اور کئی خدشات دور ہو گئے۔ آپ کی شفقت و محبت نے دل موہ لیا اے کاش ایسی من موہنی شخصیت اللہ کی حکمت کے ماتحت اگر آج ہم میں موجود ہوتی تو علماء کا یہ کارواں جس ڈگر پر چل نکلا ہے اسے روکا جاسکتا۔

جس کے بیاں سے لرزہ بجاں شوکتِ فرنگ

دیکھا ہے ہم نے دین و سیاست کا امتزاج
اس عہد میں امیر شریعت کی ذات میں
مرد فقیر، شاہ جی کہتے تھے جس کو لوگ
جس کو فقط غلامیٔ افرنگ کا تھا روگ
اس مردِ حر کا قوم نہ کیونکر منائے سوگ
"پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ"

سرگرم جس کی شعلہ نوائی سے شیخ و شاب
وہ آسمانِ فنِ خطابت کا آفتاب،
اُمت کے غم کی آگ میں دل جس کا تھا کباب
رخشندہ در عمائدِ ملت چو ماہتاب
جس کے بیاں سے لرزہ بجاں شوکت فرنگ
جس کی زباں میں کوثر و تسنیم کے تھے رنگ
اسلامیانِ ہند کی اُمید اور اُمنگ
جیتی تھی جلسہ گاہ میں جس نے ہمیشہ جنگ
ظلمت گہِ ہنود میں وہ نور کا نشاں
ہندوستاں میں ختمِ نبوت کا پاسباں
اُتریں فرشتے سُننے جسے وہ قرآن خواں
عشاقِ مصطفیٰ کا وہ سالارِ کارواں

رگ رگ میں اُس کی نقش، محبت میاں کی تھی
خدمت سپرد اُس کے گو ہندوستاں کی تھی
اس کی نگہ کی زد میں تو وسعت جہاں کی تھی
اب سوچتے رہو کہ وہ مٹی کہاں کی تھی
وہ جس کے دل میں ملت بیضا کا درد تھا
ہیبت سے جس کی چہرۂ طاغوت زرد تھا
اصحابِ مصطفےٰ کی جماعت کا فرد تھا
"حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا"

پروفیسر عابد صدیق

مولانا قائم الدین رحمۃ اللہ علیہ (علی پور)

امیر شریعت ــ محسن ملت

امیر شریعت کے صحیح حالات اور ان کے حقیقی کمالات اور اوصاف حمیدہ وہی لوگ بیان کر سکتے ہیں جن کو خود ان جیسا مقام کمال حاصل ہو

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

مجھ جیسا آدمی حضرت امیر شریعت کے علم و عمل اور کمالات ظاہری و باطنی کو کیا عرض کر سکتا ہے۔ ایک شخص جو دریا کے کنارے کھڑا ہو اور کبھی دریا کے اندر قدم نہ رکھا ہو۔ جس کو کبھی دریا کے اندر غوطہ لگانے کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس کو کیا پتہ کہ سمندر کے عمق اور گہرائی کا کیا مقام ہے۔ ہم ایسے تجربہ کار غواص کے متعلق کیا رائے قائم کر سکتے ہیں۔ جو اپنی ساری زندگی میں سمندر کی لہروں سے کھیلا ہو جو بڑے سے بڑے طوفانوں میں جہاز کا لنگر اٹھا دینے والا ہو۔ جس نے عمر بھر خطرناک طوفانوں کا مقابلہ کیا ہو۔ جس نے ہمیشہ سمندر میں غوطہ زن رہ کر موتی نکالے ہوں۔ حضرت امیر شریعت انسانیت کا پر تو کامل، سچے محب رسول تھے۔ پروانہ توحید، اور جاں نثار صحابہ رسول تھے۔ فدائی آل رسول ﷺ تھے۔ حضرت امیر شریعت کو انسانوں سے بے حد پیار تھا۔ انسانیت کی خیر خواہی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آپ عزم راسخ کے مالک تھے

فَاِذَا عَزَمتَ فَتَوکَل عَلَی اللہ

پر پورے کار بند تھے۔

حضرت سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۸ء شہر جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں ہوئی۔ آپ کی ذات گرامی بے حد کشش اور جاذبیت کی مالک تھی۔ آنکھ میں جادو تھا۔ زباں میں شیرینی۔ کبیدہ خاطر لوگوں کو ایک لمحہ کے اندر گرویدہ بنانا حضرت کے لئے ادنیٰ بات تھی وہ دن ہے اور آج کا دن ہم حضرتؒ کے دیوانے اور متوالے ہیں۔

حضرت امیر شریعت کے کمالات کو مؤرخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں حضرت کو وہ مقام حاصل ہے جس کے تذکرے کا حق اداء نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ اتنی طویل داستاں ہے کہ ان حقائق کو ہم لکھنا شروع کر دیں تو بہت بڑے دفتر کی ضرورت ہے۔ نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ملت پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے علمائے کرام کو دین دار بنایا۔ علمائے امت کو حجروں سے نکال کر میدان جہاد میں لاکھڑا کیا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہزاروں زبانیں تیار کیں۔ ملک کے چپہ چپہ میں خطیب تیار کئے۔

لاکھوں جوانوں کا لہو گرمایا۔ غرضیکہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ جیسا باکمال انسان میری نظر نے کبھی نہیں دیکھا نہ آئندہ زندگی میں ایسی پر عظمت شخصیت کی زیارت نصیب ہونے کی توقع ہے۔

حضرت شاہ جی رحمہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے بے حد محبت تھی۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد متوالے تھے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کو جس انداز میں ملک کے اندر بیان کیا۔ اس کی مثال پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ جیسے باکمال انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ صدیوں بعد جا کر ایسے انسان امت میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کی موت بھی صدیوں خون کے آنسو رلایا کرتی ہے۔ موت کا آجانا ایک متعین امر ہے۔ موت سے مفر کی کوئی صورت نہیں۔ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے قبل بڑے بڑے باکمال اکابر موت کی وادی میں اتر چکے ہیں۔ اور وہ خلا بھی ہزاروں برس تک پر نہیں ہوسکتا۔

مگر اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی موت ایسے دور میں واقع ہوئی جو زمانہ قحط الرجال اور فقدانِ کمال کا دور ہے اگر ہمیں حضرت کا مثل یا قائم مقام نظر آتا تو یقیناً اتنا صدمہ اور رنج نہ ہوتا۔

افسوس کہ حضرت کا کوئی قائم مقام نظر نہیں آتا۔ قحط الرجال کے زمانے میں حضرت امیر شریعت کی موت ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ عرصہ دراز تک یہ خلاء پر نہیں ہوسکتا۔ افسوس ہم نے اپنے ہاتھوں بے مثال خطیب، مجاہد اعظم، عالم باعمل اور پیکر انسانیت کو سپرد خاک کر دیا۔ سرزمین ملتان تجھ کو مبارکباد ہو تیرے اندر وہ مرد غیور اور مرد مجاہد دفن کیا گیا جسکی مثال صدیوں تک نہ مل سکے گی۔

ہر ایک تبرزن کو شکاری نہیں کہتے
ہر ایک جو پڑھ لے اسے قاری نہیں کہتے
ہر ایک فقیہ شافعی و نعمان نہیں ہوتا۔۔! ہر واعظ و ناصح کو بخاری نہیں کہتے

سیاست

سارے قرآن میں "پالیٹکس" کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں۔ ہاں، میں جانتا ہوں! اس کے معنی "مکر" کے ہیں اور یہ فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے۔ سیاسیین کے وعدے پورا ہونے کے لئے نہیں بلکہ ٹالنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ ان بد بختوں کے دل پر خدا کے سوا ہر شے کا خوف غالب ہے۔

میں نے لفظِ سیاست سے زیادہ شریر لفظ نہیں دیکھا۔ یہ خدع و فریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چمکاتے ہیں۔

اس دور میں سیاست کا مطلب "فتنہ خیزی"، "فتنہ پروری" اور "فتنہ انگیزی" ہے۔

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

مولانا سمیع الحق
اکوڑہ خٹک

امیر شریعت سے ایک ملاقات

رو رہی ہے آج ایک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

رمضان المبارک ۱۳۷۸ کا زمانہ کتنا پر کیف اور پر لطف تھا۔ اور کتنے حسین و جمیل تھے زندگی کے وہ چند ایام جو لاہور کے بقیتہ السلف حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ ۱۔ کی صحبت میں گزرے۔ ایک طرف رمضان کا مبارک مہینہ پورے برکات سے سایہ فگن دوسری طرف صبح وشام حضرت الاستاذ کے درس میں قرآن مجید کے علوم و معارف کا ذکر و مذاکرہ روحانی فیوضات کی ہر طرف بارش پوری فضا روحانیت میں بسی ہوئی تھی اور مجھ جیسے نامہ سیاہ پراگندہ خاطر انسان کو بھی چین وسکون کی دولت نصیب تھی۔ زہے نصیب ایک مرد کامل اور شیخ کے جوار میں قیام وسکونت اور خصوصی شفقتوں کی دولت حاصل ہورہی تھی۔

نظر میں ہے اب تک وہ رنگیں زمانہ
نشیلا نشیلا سہانا سہانا

۸ رمضان المبارک کو ایک دن حوض پر وضو کر رہا تھا عصر کی جماعت ہو چکی تھی۔ اور وضو سے فارغ ہو کر پیچھے مڑا۔ کچھ مبہوت سارہ گیا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمتہ دو تین افراد کا سہارا لئے گرتے تھامتے کھڑے ہیں۔

برٹش سامراج کو للکارنے والے اس ضیغم اسلام کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی وہ مہیب اور پروقار وجیہہ چہرہ جس کے خدوخال میں کسی یورپین عیسائی افسر ۲۔ نے (حضرت) عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی جھلک دیکھی تھی اور جس نے اُس وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ پیغمبرؑ کا اسٹیچو اور تمثیل اس بارعب چہرے کو قرار دیا تھا۔ اب ایک منحنی لاغر ڈھانچہ تھا مگر پھر بھی اس کارواں رُواں اس سکون وطمانیت، جلال ووقار میں بسا ہوا معلوم ہورہا تھا جس کا جلوہ صرف حق تعالیٰ کے مقربین میں ہوتا ہے اذا راؤ ذکر اللہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے۔(الحدیث)

حیرت، گھبراہٹ کے ملے جلے جذبات لئے آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا۔ چند لمحے بعد پہچانا۔ فرمایا "سمیع ہو"؟ پیار سے سینے سے لگایا۔ ابھی مولانا لاہوری اپنے کمرہ میں تشریف نہیں لائے تھے اور نہ ان کو شاہ جی کی اطلاع ہوئی تھی۔ اس لئے میں شاہ جی کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ فرمایا چٹائی پر ہی بستر بچھاؤ لیٹ گئے۔ برادر محترم مولانا شیر علی شاہ مدرس دارالعلوم حقانیہ میرے رفیق سفر وقیام تھے ہم نے جلدی جلدی پاؤں اور کمر دبانا شروع کیا۔ ہم نے کہا حضرت صحت بہت گر گئی ہے۔ فرمانے لگے ہاں! آخر گرنا ہے بقا صرف اللہ تعالیٰ کو

۱۔ یہ مضمون ۱۹۶۲ء میں ہفت روزہ "پیام اسلام" لاہور کے امیر شریعت نمبر میں شائع ہوا۔ تب حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ حیات تھے۔ ۲۔ کرنل ہاورڈ۔ سپرنٹنڈنٹ راولپنڈی جیل "ہندوستان کی خوبصورت یادیں" میں حضرت شاہ جی کا تذکرہ کیا ہے۔

ہے اتنے میں مولانا لاہوری تشریف لائے۔ دونوں بزرگ جس والہانہ شوق اور محبت سے ملے۔ السعدین کے اس دلکش نظارے کا تصور اب بھی دل و دماغ کو عجیب فرحت بخشتا ہے۔ چند لمحوں کے لئے فضا ساکت اور خاموش تھی اور پھر حضرت لاہوری انہیں ساتھ ہی اپنے کمرے میں لے گئے اور میں اس خیال سے سرشار تھا کہ اس عارضی مستقر کو ایک بطل جلیل کے چند ساعات نزول کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجھے خوب یاد تھا جب حضرت قدس سرہ العزیز دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسوں میں تشریف لایا کرتے تھے۔ تو پشاور کی قہوہ چائے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ میں نے یہاں بھی عشاء کے بعد قہوہ تیار کرانے کی اجازت مانگی۔ بخوشی قبول فرمایا مگر ذیابیطس کی وجہ سے میٹھا نہ کرنے کی ہدایت کی۔ قہوہ چائے تیار کر کے پیش کی۔ بڑے شوق سے نوش فرمائی۔ کچھ دیر بیٹھ کر دولت خانہ تشریف لے گئے ہم نے حضرت شاہ جی کو حضرت لاہوری کے بے پناہ اشغال اور پھر ان کی صحت کے گرتے جانے کا ذکر کیا۔ فرمایا جی ہاں اس معمہ کو میں بھی حل نہیں کر سکا۔ میں اور گھر والے کئی پہروں سوچتے ہیں کہ یہ بندۂ خدا کرتا کیا کچھ ہے اور کھاتا کیا ہے۔ ہم ان کا کھانا تولتے ہیں اور پھر ان کے شب و روز کے عظیم مشاغل کو دیکھتے ہیں۔ فرمایا ہاں ان لوگوں کا معاملہ ہی اور ہے ان کی زندگی کا دم خم ان اشغال و مصروفیات سے ہے۔ یہ اگر آرام کریں تو پھر رہی سہی صحت بھی جواب دے دے۔

آپ رات گئے تک خوش طبعی، ظرافت و حکمت، عبرت و موعظت کے انمول موتی بکھیرتے رہے کہ کبھی مجلس کشت زار زعفران بن جاتی اور کبھی حاضرین درد و یاس کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے۔ اب شاہ جی پورے جوبن میں تھے۔ اور برادر محترم صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور فرمارہے تھے کہ شاہ جی پھر وہی شاہ جی ہیں۔ ضعف و اضمحلال کے سارے آثار مٹ گئے اور چہرے میں سرخی اور نور کی وہی لہریں دوڑنے لگیں۔ حضرت لاہوری کی اس قیام گاہ میں چند احباب کی اس محفل میں شاہ جی نے علوم و حکم، طنز و مزاح، پیار و محبت کے وہ پھول نچھاور کیے جس سے دل و دماغ میں فرحت اور انبساط اور پھر حیرت و عبرت کی کتنی موجیں مضطرب ہوئیں اور پھر دب گئیں۔ کل تک جب وہ مجلس یاد آتی تو فرحت و ابتہاج کا باعث بنتی اور اب سوچتا ہوں تو سوہان روح ہے۔

اب رات ڈھل گئی اور مجلس برخاست ہوئی۔ اس سیاہ کار کو حکم ہوا سمیع اپنا بستر یہاں اٹھا لاؤ۔ بستر اٹھا لایا اور شاہ جی کی چارپائی کے ساتھ اس مسند پر بچھایا جس پر مخدوم العلماء والمسلمین حضرت مولانا لاہوری تنہائیوں میں مشغول ہوتے ہیں اور جلوتوں میں جہاں سے رشد و ہدایت کے خزانے تقسیم ہوتے ہیں۔ ابھی میری آنکھ لگی تھی کہ بڑھاپے، فالج، ذیابیطس کا شکار یہ ضعیف مجاہد دبے پاؤں اٹھا جب میری آنکھ کھلی تو یہ مرد مومن میرے سرہانے مصلے پر بیٹھے اپنے رب کے ساتھ مصروف عجز و نیاز تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے پرواہ عشق الٰہی اور سوز دروں میں مستغرق

قرة عینی فی الصلوٰة (الحدیث)

(میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)

میں نے بستر سے اٹھنا چاہا۔ سختی سے منع فرمایا سو جاؤ تمہیں سحری کے لئے بھی اٹھنا ہے۔ اور پھر دن کو درس

میں شریک ہونا ہے۔ تعمیل حکم لازمی تھی۔ لحاف میں منہ لپیٹ لیا مگر عشق رسول اور یادالٰہی سے معمور سینہ پورے زور سے

لہ ازیز کا زیزالقدر

(ہانڈی کے ابلنے کی آواز) کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ بد قسمتی ہوتی اگر اس موقعہ کو غنیمت نہ جانتا اٹھا اور دعا کے لئے درخواست پیش کر دی۔

اس رات وہ خصوصی توجہات و شفقتیں نصیب ہوئیں۔ جو مدت مدید کی تمناؤں اور آرزوؤں سے بھی شاید نصیب نہ ہوتیں۔

شاہ جی فرمانے لگے سمیع! میں تمہیں آج ایک حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں۔ شاید ملاقات ہو یا نہ ہو کیونکہ میں تو اب جا رہا ہوں میں نے زندگی بھر کسی کی ذات کے بارے میں مال و متاع عزت و آبرو کی برائی کا تصور بھی نہیں کیا۔ الحمدللہ میں اس صفائی کا اثبات کر سکتا ہوں۔ پاؤں دبانے کے دوران میں نے کہا کہ یہ پاؤں حضرت الشیخ الامام الکبیر مولانا مدنی علیہ الرحمتہ نے دبائے تھے تو ہم یہ سعادت کیسے حاصل نہ کریں۔ فرمایا

لا حول ولا قوۃ۔ استغفرواللہ

ایسا نہ کہیں پھر سوچ میں ڈوب کر انگلی دانتوں میں دبا گئے اور آہ بھرتے ہوئے فرمایا۔ سب چلے گئے حضرت مدنی نے بھی رحلت فرمائی صرف میں اس قافلہ کا تنہا سپاہی رہ گیا ہوں۔ اللہ بھی ایک اس کا رسول بھی ایک اور آج اس پوری دنیا میں میں بھی تنہا ہوں۔

میں نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے بارے میں پوچھا کہ حضرت نے ان سے کیا حاصل کیا؟ شاہ جی فرمانے لگے میں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا میں نے جو کچھ پایا ان کے جوتوں کا صدقہ ہے۔ اس پورے ہندوستان میں میں نے ایسے وجیہہ و حسین چہرہ و جلال و جمال کے بزرگ نہیں دیکھے۔ ایک رات دیو بند میں تقریر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ بھلا علم و معرفت کے اس مرکز میں ان کے سامنے تقریر کی کیا مجال تھی۔ میں نے انکار کیا تو فرمایا تمہیں تقریر کرنا پڑے گی۔ اب حکم سے سرتابی کی مجال کہاں تھی۔ تقریر عشاء کو شروع ہو کر رات تین بجے تک جاری رہی حضرت شاہ صاحب کشمیری کرسی پر تمام رات ایک ہی ہیئت میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھے رہے۔ پورے محو ہو کر سنتے رہے۔ اور برابر آنسو جاری تھے۔ حالانکہ تقریر بھی "وراثت" جیسے خشک موضوع پر تھی اور پھر اختتام پر بے تحاشا دعائیں دیں۔ رہا ان کا درس تو وہاں ہم جیسوں کی رسائی کہاں تھی۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب (رحمہ اللہ) میرے استاد ہیں بڑے معقولی اور فلسفی۔ لیکن جب شاہ صاحب کشمیری کے درس میں شریک ہوئے تو فرمانے لگے کہ جہل کا اعتراف لے کر ان کے درس میں شرکت کرنا پڑتی تو وہاں ہم جیسوں کی کیا مجال انتھی۔

دوران گفتگو انہوں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے ان کے ہاتھ بیعت کرنے اور انہیں امیر شریعت منتخب کرنے کے واقعہ کو بھی بیان فرمایا۔ نیز اس ضمن میں فرمایا کہ میں نے زندگی میں تین افراد کو

نماز پڑھتے دیکھا۔ خشوع و خضوع میں ڈوبی ہوئی نمازیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پڑھنے والے تڑپ تڑپ کر بھیک مانگ رہے ہیں۔ عاجزی اور ذلت ان کے ہر ہر جز سے نمایاں ہوتی تھی۔ ایک علامہ انور شاہ علیہ الرحمتہ کی نماز، دوسرے مولانا ابوالکلام آزاد کی نماز تیسرا نام غالباً پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمتہ کا لیا[۳]

دوران گفتگو میں ایک مرتبہ فرمایا۔ میری مایوسی قنوط کی حد تک پہنچ گئی ہے اور میری قنوط انکشاف حقیقت ہوا کرتی ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد میرے دفنانے کی اجازت بھی دے دیں گے یا نہیں۔ زندگی کے آخری ادوار کے لئے ملتان کا انتخاب۔؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ مجذوب کی دعاء کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ تقسیم سے قبل ملتان کے ایک بہت بڑے اجتماع میں تقریر کر رہا تھا کہ اتنے میں مجمع سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چیخ چیخ کر رونے لگا پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگا کہ۔ (شاہ! اللہ تیرا ایتھے مزار بنڑاوے) یعنی خدا یہاں تیرا مزار بنادے۔ میں نے کہا کہ (ہاں بابا جی "توں مجاور بنڑو نجیں) یعنی تم اس کے مجاور بن جانا۔ بات آئی گئی، مگر اس مجذوب کی دعا مقبول معلوم ہوتی ہے۔ "عشاء کے بعد مولانا شیر علی شاہ[۴] صاحب نے کہا۔

تمتع من شمیم عواد نجد
فما بعد العیشتہ من عواد

(نجد کے گل نرگس (گاؤ چشم) کی خوشبو سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ شام کے بعد یہ پھول نہیں ہوگا)

فرمایا یہ تمہارا ساتھی بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ اس نے شاعری شروع کر دی۔ پھر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا۔ "ہاں شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک"

ایک ساتھی نے جوتے اٹھانے کی کوشش کی آپ نے منع کیا اور فرمایا "اگر خواہ مخواہ اٹھانا ہے تو مجھے اٹھاؤ تب دیکھوں۔ دو چھٹانک جوتے اٹھا کر خوش ہوئے کہ شاہ جی کا احترام کیا"

بہرحال سعادت اور مسرت سے بھرپور یہ ایک سہانی رات تھی جو زندگی میں نصیب ہوئی جس کی یادیں تاحین حیات دل و دماغ پر نقش رہیں گی۔

یاس و حسرت کی فضا چھائی ہوئی ہے چار سو
برق غم سے مضطرب احساس کا خرمن ہے آج
نالۂ اندوہ ہے ہر بانگِ مرغانِ سحر
نوحۂ فریاد ہر آہنگِ جان و تن ہے آج (فانی)

۳۔ صاحب مضمون کو یہاں سہو ہوا ہے۔ تیسرا نام حضرت مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ (بانی تبلیغی جماعت) کا ہے ان تینوں بزرگوں کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت امیر شریعت ایک خاص جملہ فرمایا کرتے تھے۔ "ان کی نمازوں کی کیفیت دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مہا بھکاری اپنے سب سے بڑے ان داتا کے حضور سر بسجود ہے"۔ (کفیل)

۴۔ سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ حالاً مقیم مدینہ منورہ

اصاغر نواز شخصیت

مولانا غلام احمد (جلہ جیم میلسی)

۱۳۶۶ھ، ۱۹۴۶ء میں مجلس احرار اسلام کی طرف سے کہروڑپکا کے علاقہ "بیلاواگہ میراں پور" میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مجلس احرار اسلام کے عظیم رہنما "قاضی احسان احمد شجاع آبادی"، "مولانا عبدالرحمان میانوی"، "مولانا عبدالحی شاہ کہروڑوی" اور دیگر علماء کرام جن کو جاننے کا میں اس وقت شعور نہیں رکھتا تھا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں شریک ہوئے۔ اس زمانہ میں کہروڑپکا سے مقام جلسہ تک کچی سڑک تھی۔ گرد و غبار بہت تھا۔ ہر طرف سے راستے خستہ اور ناہموار تھے۔ باوجود اس کے چونکہ مجلس احرار اسلام کا دور شباب تھا۔ احرار رضاکاروں کا ایک بڑا ہجوم اور شائقین و زائرین حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا قرآن کریم سننے ہر طرف سے کھنچے چلے آرہے تھے۔ جلسہ ایک بڑی عید گاہ کے وسیع میدان میں تھا جو سامعین سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ علماء حضرات کی شعلہ بیانیوں سے ایک بہترین سماں نظر آرہا تھا۔ علاقہ کہروڑپکا کے بااثر سرمایہ دار امراء جلسہ میں انگریزی اقتدار کے سہارے پر شریک تھے۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی جو اپنے مخصوص انداز میں یہ بیان کر رہے تھے کہ "امراء طوائفوں کے پاس قیام کرتے ہیں۔ وہ اپنی ہی اولاد کے ہاں ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اس بازار کو امراء ہی جا کر رونق دیتے ہیں" اس پر راناواہن کے معروف رافضی زمیندار اللہ وسایا جوئیہ نامی نے جلسہ میں اپنے پالتو حامیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر حضرت قاضی صاحب کی سخت توہین کرتے ہوئے کہا کہ "کیا چکلے میں بیٹھنے والی تمہاری بیٹیاں ہیں"؟ قاضی صاحب نے ضابطۂ خطابت کو سنبھالتے ہوئے برجستہ کہا کہ "اگر طوائف کے ہاں میں جاتا ہوں تو میری بیٹیاں ہیں۔ اور اگر تم جاتے ہو تو تمہاری اولاد ہیں"؟ اتفاق سے اس اللہ وسایا جوئیہ رافضی نے گھر میں ایک داشتہ "کنجری" رکھی ہوئی تھی۔ اور تھا بھی علاقہ کے سرمایہ داروں کا وڈیرا۔ اس نے سب کو آواز دے کر بلایا کہ "سب لوگ جلسہ گاہ سے باہر آجائیں"؟ تو اس کے اکثر متعلقین جلسہ سے باہر آگئے۔ اور سب نے صلح و مشورہ کر کے اپنی رعایا کے لوگوں کو اس طرح بلانا شروع کیا کہ "جو ہمارے بندے ہیں سب باہر آجائیں" قاضی صاحب مرحوم نے فوراً جوابی اعلان فرمایا کہ "جو لوگ اللہ کے بندے ہیں جلسہ گاہ میں بیٹھے رہیں۔ اور جو امراء کے بندے ہیں وہ بے شک چلے جائیں" چنانچہ اس اعلان پر کوئی آدمی بھی نہ اٹھا۔ اس عظیم الشان کانفرنس میں بااثر سرمایہ داروں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ ان کے کہنے پر ان کی رعایا بھی قاضی صاحب کا خطاب چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ سٹیج پر علاقہ کے پولیس آفیسر موجود تھے۔ قاضی صاحب نے ان سے بھی رعایا کے تحفظ کا اعلان کروایا۔ اس کے بعد وہ امراء جو جلسہ میں گڑبڑ کر رہے تھے انہوں نے حضرت امیر شریعت کی خدمت میں جا کر قاضی صاحب کا شکوہ کیا۔ اور اصرار سے کہنے لگے کہ "آئندہ جلسہ میں آپ آیا کریں، قاضی صاحب کو نہ لائیں"۔ اس پر حضرت امیر شریعت ان سے سخت ناراض ہوئے۔ اور ان کے ہاں

ضیافت کھانے سے انکار فرمایا۔

احرار کے رضا کاروں نے حسبِ معمول کھانے وغیرہ کا انتظام کیا۔ بات تیزی سے علاقہ میں پھیل گئی۔ ظہر کے بعد لوگ جمع ہوئے۔ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سٹیج پر تشریف لائے اور اپنے مخصوص خطبۂ مسنونہ کے بعد حکومتِ الٰہیہ کی تشریح کے لئے آیت کریمہ

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ازک اللہ (پ۔ ۵، ع۔ ۱۵، س۔ ۴، "النساء"، ع۔ ۱۲)

تلاوت فرمائی۔ اس وقت جلسہ کے سامعین ملک بھر کے عام تاثر کے مطابق ایسا محسوس کر رہے تھے کہ جیسے قرآن کریم اب نازل ہو رہا ہے۔ حضرت امیر شریعت نے عوام سے مخاطب ہو کر اپنے وفادار قاضی احسان احمد کی شجاعت اور بہادری کی داد دی لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ "یہاں کے مقامی لوگ مجھے کہتے ہیں کہ شاہ جی آئند آپ اکیلے آئیں۔ قاضی صاحب کو ہمراہ نہ لائیں"۔ آپ نے فرمایا۔ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حسین آئے اور "حی" نہ آئے" اس کے بعد حضرت شاہ جی نے مثال دے کر فرمایا "اچھے صفائی کرنے والے لوگ پہلے زمین پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ بعد میں جھاڑو دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے بغیر پانی کے چھڑکاؤ کے جھاڑو دینا شروع کیا تو گرد و غبار اڑا جو میری بیٹھک تک پہنچ گیا"! سبحان اللہ! حضرت شاہ جی نے شرکاء جلسہ کو اس طرح مطمئن فرمایا اور اپنے مشن کے رفیق قاضی صاحب کی ہمت افزائی کے ساتھ ان کو نصیحت فرمائی!

۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء میں حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ "رشیدیہ" بہ مقام بستی "محبت پور" کے سہ روزہ سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ اس عظیم اجتماع میں مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، حافظ اللہ وسایا نابینا ڈیرہ غازی خان، مولانا لعل حسین اختر، مولانا عبدالرحمن میانوی جیسے اکابر علماء شریک ہوئے۔ یہ جلسہ دسمبر کے سرد موسم میں تھا۔ ان ایام میں مہمانوں کے سفر کے لئے ریل گاڑی کافی ہوتی تھی۔ ریلوے اسٹیشن "آرے واہن" سے مقام جلسہ کوئی تین میل کی مسافت پر تھا۔ راقم اپنے دوسرے طالب علم ساتھیوں کے ہمراہ جلسہ کے منتظمین کی ہدایت کے مطابق تین گھوڑیاں لے کر رات کے نو بجے آرے واہن اسٹیشن سے حضرت امیر شریعت کو لینے کے لئے گیا۔ چاندنی رات اور سردی زوروں پر تھی۔ گاڑی رات کے گیارہ بجے لیٹ اسٹیشن پر پہنچی۔ حضرت شاہ جی کے ہمراہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا عبدالرحمن میانوی اور دیگر علماء کرام جن کے مجھے اس وقت نام یاد نہیں اور چودہ پندرہ رضا کار بھی تھے۔ حضرت شاہ جی نے ہم طالب علموں کو تین گھوڑیوں کے ساتھ دیکھ کر اپنے رفقاء سے ترغیب کے لہجہ میں فرمایا "خدائے پاک نے کیسے چاند کی روشنی بنائی اور ہمیں دین کی محبت و خدمت کے لئے یہاں آنے کی سعادت نصیب فرمائی میری خواہش ہے کہ اسٹیشن سے بستی محبت پور تک پیدل چلا جائے۔ اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ تو اس پر تمام رفقاء، علماء اور رضا کار اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی خوشی خوشی حضرت شاہ جی کے ہمراہ چل پڑے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین سکڑتی جا رہی ہے۔ ان ایام میں راستے بھی ناہموار تھے۔ کھیتوں کے موڑ طے کرنے پڑتے تھے۔ حضرت امیر شریعت خدا کے ارضی و سماوی نظام کی تعریف کرتے جاتے تھے اور چاند کی

روشنی کا بار بار تذکرہ فرما رہے تھے۔ آسمان کی طرف سر اٹھا کر ہاتھوں سے چاند کی طرف اشارہ فرماتے جاتے تھے اور "سبحان اللہ سبحان اللہ" زبان پر جاری تھا۔ ہم تین چار طالب علم اس باوقار قافلہ کے پیچھے گھوڑیوں کی لگامیں پکڑے ہوئے چل رہے تھے کہ حضرت شاہ جی مع اپنے محب رفقاء کے جن کی تعداد صحیح اندازہ نہیں پچاس ساٹھ کے قریب تھی۔ اسی حال میں دلچسپ باتیں کرتے ہوئے تین میل کا سفر طے کر کے مقام جلسہ میں پہنچ گئے۔ اس عظیم اجتماع میں انتظامیہ جلسہ کے کارکن مخلص اور سادہ رضا کار تھے۔ جن میں معروف شخصیت قاضی عبیداللہ شہید ساکن محبت پور، مولوی عاشق محمد صاحب شہید، حاجی اللہ بخش، حاجی پیر بخش مرحوم، حاجی واحد بخش مرحوم، حافظ عطاء محمد صاحب، حاجی جان محمد صاحب مرحوم ساکن رام کلی شامل تھے۔ موسم بھی دسمبر جنوری کا تھا۔ اس علاقہ میں "گوبھی" کے کھیت حضرت شاہ جی نے دیکھے تھے۔ صاحب جلسہ اور احباب کی سادگی بھی ان کے سامنے تھی۔ مہمان کثیر تعداد میں تھے۔ حضرت شاہ جی نے تمام امور کو سمجھتے ہوئے حکماً فرمایا "میں گوبھی کھاؤں گا۔ اور سب کے لئے بھی یہی پکاؤ" چنانچہ اس سہ روزہ دینی اجتماع میں شریک علماء اور کارکن سبھی نے سبزی کھائی۔ اور اس پر حضرت شاہ جی نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے "سبزی" کی جلسہ عام کے اندر تعریف فرمائی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "میں جورات اسٹیشن سے بستی تک پیدل چل کر آیا ہوں اس سے مجھے سکون محسوس ہوا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اس بستی تک پیدل چل کر آؤں گا" اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ حضرت شاہ جی کئی مرتبہ بستی محبت پور کے اس مرکزی جلسہ میں اسٹیشن سے پیدل چل کر ہی تشریف لائے۔ جلسہ والے خوشی کا اظہار کرتے۔ وہ ایسے مطمئن ہوگئے کہ آئندہ شاہ جی کا استقبال کرنے کے لئے بغیر سواریوں کے اسٹیشن پر پہنچ جاتے تھے۔ اس میں حضرت شاہ جی کا کمال دیکھیں کہ جلسہ کرانے والوں کی کیسی حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کو دوسرے لوگوں سے جلسہ کے زائد اخراجات کے لئے سوال سے بھی بچالیا۔ وہ اپنی فراست اور آداب معاشرت سے کامل واقفیت کی بناء پر اپنے داعی میزبانوں کی حالت اور حیثیت بخوبی سمجھتے تھے۔ قاضی صاحب اور مولوی عاشق محمد صاحب شہید کی اپنی ذاتی کوئی سواری نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ اتنی مالی وسعت رکھتے تھے کہ جلسہ کے شریک ضیوف کی دعوت کے لئے گوشت وغیرہ کا انتظام کریں۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت شاہ جی نے ہم طلبہ سے فرمایا کہ "چولہے پر دیگچی رکھو اور پانی گرم کرو۔ جب پانی ابل جائے تو مجھے بتانا" حضرت شاہ جی نے اپنے ہاتھوں سے پانی میں پتی ڈالی اور حسب منشاء چائے بنائی۔ اندازہ یاد آتا ہے کہ دودھ نہیں تھا۔ اس میں بھی حضرت شاہ جی نے منتظمین جلسہ کو خوامخواہ کے چائے کے خرچہ سے اور اپنی مرضی کے مطابق چائے سازی کے تکلف سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ مساعیٔ قبول فرمائیں۔ اور انکے بقیہ رفقاء و احباب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ خصوصاً ان کے حضرات ابناء کرام کو اپنے عظیم باپ کا سچا جانشیں بنائیں۔ آمین۔

۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۱ء میں جامعہ عربیہ "خیر العلوم" خیر پور ٹامے والی کا سالانہ سہ روزہ جلسہ تھا۔ ادارہ مذکورہ میں اپنی روایات کے مطابق اب بھی عظیم الشان تبلیغی اصلاحی کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس قدیم ادارہ میں

پہلے بھی ملک کے اکابر ملت تشریف لاتے رہے۔ مثلاً استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مفتی غلام قادر صاحب کے مشفق استاد تھے۔ علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، علامہ عبدالرحمٰن صاحب بہاولپوری، ادیب لبیب جناب علامہ محمد ارشد صاحب بہاولپوری، مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، جالندھری شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن میانوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد شریف جالندھری ثانی مہتمم خیر المدارس، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری مناظر اسلام مولانا لعل حسین اختر، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی، مولانا محمد شریف بہالپوری، مولانا محمد مکی، علامہ خالد محمود اور جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری وغیرہ۔

الحمد اللہ اب بھی اس مادرِ علمی میں ملک کے مقتدرِ علماء کرام بڑی توجہ اور چاہت سے تشریف لاتے ہیں۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ سفر کا ذریعہ ان ایام میں ریل گاڑی تھی۔ جلسہ گاہ سے قریباً دو میل ریلوے اسٹیشن "خیر پور" ریگستان میں واقع تھا۔ اسی ادارہ کی سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس میں سامعین بہت کثرت سے آئے ہوئے تھے۔ ایک روز پہلے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا انتظار تھا۔ ہر مقرر کے اعلان خطاب کے ساتھ سٹیج سیکرٹری شاہ جی کی آمد اور تشریف آوری کا اعلان کرتا تھا۔ ایک روز غالباً دن کے ایک بجے کے قریب حضرت مولانا عبدالرحمٰن میانوی شاہ جی کی پیروی میں اپنے مخصوص انداز اور لہجہ کے ساتھ مقام نبوت کے دلائل قرآنی آیات کی تلاوت کے ساتھ بیان کر رہے تھے اور سامعین حضرات خود داد دے رہے تھے کہ اچانک دوران تقریر میں کسی طالب علم نے اطلاع دی کہ "حضرت شاہ جی ریلوے اسٹیشن خیر پور پر تشریف لا چکے ہیں" بس یہ اعلان سننا تھا کہ سارا مجمع جلسہ سے اٹھ کر دوڑتا ہوا شاہ جی کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن خیر پور پہنچ گیا۔ بہاول پور سے بہاولنگر تک ریلوے سفر کی کوفت اور بے حد گرد و غبار کے تحفہ کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے کبھی یہ سفر کیا ہو۔ حضرت شاہ جی اسٹیشن پر اترے چاند جیسا خوبصورت چہرہ، گندمی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس گرد و غبار سے اٹے ہوئے حال میں تھے۔ استقبال کرنے والے اجتماع کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے سب لوگوں کے ساتھ اس شدت کی گرمی میں ریتلا سفر طے کر کے سیدھے سٹیج پر تشریف لا کر بیٹھ گئے۔ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن میانوی کے خطاب میں خوب داد دینے لگے۔ اور "واہ، واہ" فرما رہے تھے۔ لوگ حیران تھے کہ شاہ جی اتنے نازک مزاج کہ جن کی خدمت و ضیافت کو امراء اور سلاطین بھی فخر سمجھتے تھے برصغیر کے بڑے بڑے دینی رہنما اور قومی لیڈر جن کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے۔ وہ حضرت شاہ جی نہ منتظمین جلسہ کے مہمان خانہ میں تشریف لے گئے اور نہ اراکین جلسہ کو ڈانٹ ڈپٹ فرمائی کہ "ہائے میں مر گیا۔ اتنے سخت سفر سے آیا ہوں" بلکہ خوشی خوشی جلسہ گاہ میں پہنچ کر اپنے رفیق جماعت حضرت میانوی صاحب جو اس وقت خطاب فرما رہے تھے ان کے خطاب میں شرکت فرما کر اپنی داد

سے سامعین جلسہ پر ان کے خطاب کا سکہ بٹھا رہے تھے۔ سبحان اللہ! ایسے سچے دین کے شیدائی اور خصوصاً ختم نبوت سے دلی محبت رکھنے اور اصاغر کو نوازنے والے اب کہاں سے آئیں گے؟

اہلِ خیر پور ٹامیوالی کے ساتھ "قلبی تعلق"

ملک کے چند خاص مقامات کی طرح خیر پور کے ساتھ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو دلی محبت تھی۔ خیر پور میں قرآن کریم کی تعلیم واشاعت کا مرکز "سبز مسجد" کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے۔ اور جامعہ خیر العلوم جو تمام اکابر علماء دیو بند کی ترجمانی کا مرکز سمجھا جاتا ہے بھی یہاں واقع ہے۔ ادھر حضرت بخاری "ہمدانی شاہ صاحبان" کے خاندان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔ چند معروف شخصیات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب ہمدانی۔ ۲۔ سید محمد عباس علی شاہ صاحب ہمدانی۔ ۳۔ سید منظور الحسن شاہ صاحب ہمدانی شہید رحمۃ اللہ علیہم۔

حضرت شاہ جی عموماً خیر العلوم کے سالانہ جلسہ میں تشریف لا کر جلسہ کے بعد دو تین دن قیام فرماتے تھے۔ زیادہ دیر حضرت شاہ جی خیر پور میں محترم جناب حکیم محمد نصیر الدین قریشی کے ہاں تشریف رکھتے تھے۔ مذکورہ جلسہ کے موقع پر خیر العلوم کے منتظمین نے حضرت شاہ جی کی خدمت کے لئے دو تین طلبہ کو مقرر کیا ان میں ایک خادم بندہ راقم غلام احمد اور دوسرے مولانا غلام حسین فاضل دیو بند تھے۔ دوسرے طالب علم صاحبان کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ شاہ جی نے جب حکیم محمد نصیر الدین قریشی صاحب کے مکان میں قدم رکھا جو ماشاء اللہ خانقاہ نما ملحقہ مسجد کے صحن اور برآمدہ پر مشتمل تھا تو پہلا جملہ فرمایا "مجھے یہاں کسی ولی اللہ کی خوشبو آرہی ہے" حکیم نصیر الدین صاحب اور دوسرے رفقاء جو اس وقت موجود تھے۔ مفتی غلام قادر صاحب، جناب صاحب زادہ ریاض احمد رحمانی صاحب خیر پور کے معروف مذہبی ورکر محمودی صاحب، جناب سید عباس علی شاہ صاحب جیسے احباب موجود تھے۔ شاہ جی بڑے تعجب کے انداز میں بار بار فرما رہے تھے "یہاں مجھے کسی ولی اللہ کی خوشبو آرہی ہے"۔ تو محترم حکیم محمد نصیر الدین قریشی نے عرض کیا کہ "حضرت! یہاں مشہور صوفی اور شاعر خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے"۔ شاہ جی کی اس فراست پر تمام حضرات علماء عش عش کر اٹھے۔ ساتھ ہی شاہ جی یہ بھی فرماتے تھے کہ "میں اس لائق نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھوں"۔ شاہ جی کا انداز تواضع اور کسر نفسی، یہ موصوف کا اپنا مقام تھا۔ جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تین چار دن کی خدمت کے زمانہ میں شاہ جی نے کسی قسم کی فرمائش نہیں کی کہ "یہ لاؤ وہ لاؤ، وہ کرو، یہ کرو، میں یہ کھاؤں گا، میں اس وقت کھاؤں گا، میں نے وہاں جانا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ منتظمین جلسہ یا میزبانوں پر موجودہ دور کے نام نہاد مبلغین کے سخت پریشان کن مطالبات جیسی کوئی مصیبت نہ ڈالتے تھے۔ جس کا نتیجہ تھا کہ جب تک شاہ جی خیر پور میں تشریف رکھتے تو لوگ زیارت کے شوق میں قیام گاہ کے ارد گرد ایک مجمع کی صورت میں نظر آتے۔ شاہ جی کو لوگوں کا ایک انبوہ اسٹیشن پر الوداع کرنے کے لئے جاتا

تھا۔ اور جب حضرت شاہ جی آنکھوں سے اوجھل ہوتے تو اکثر نیک لوگ اشک بار نظر آتے تھے۔

"حضرت امیر شریعت کی نگاہ میں علماء کا مقام"

۱۳۷۲ھ، ۱۹۵۲ء میں قصبہ قائم پور ضلع بہاولپور میں "معراج النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر احرار اسلام کے زیراہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی سرپرستی اور صدارت حاصل پور اور قائم پور کی معروف شخصیت حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحب فرما رہے تھے۔ سٹیج پر باوقار مذہبی رہنما اور علماء کرام اور کارکنان موجود تھے۔ حضرت شاہ جی اپنے پاکیزہ خطاب کو خطبہ مسنونہ سے شروع فرما چکے تھے کہ سٹیج کے پیچھے مفتی غلام قادر صاحب تشریف لائے۔ شاہ جی اپنے خطاب ہی میں مفتی صاحب کو معانقہ و مصافحہ سے ملے اور قریباً پندرہ منٹ تک تمام علماء اور خصوصاً مفتی غلام قادر صاحب کی تعریف کرتے رہے۔ مفتی صاحب کے لئے فرمانے لگے کہ "دیکھو یہ مولوی مجھ سے قد میں چھوٹا ہے اور عمر میں بھی کم ہے۔ لیکن اس کا علم مجھ سے کہیں زیادہ ہے" اور کسر نفسی کی حد کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ "اگر میں کافی وقت تک علم کے حصول میں صرف کروں تو مفتی غلام قادر کے پایہ تک نہیں پہنچ سکتا"۔ اور ساتھ ہی مفتی غلا قادر صاحب کے لئے دعاء فرمائی۔ قدر افزائی کی یہ صفت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ودیعت فرمائی تھی کہ جہاں شاہ جی تشریف لے جاتے وہاں کے مقامی علماء کی عزت و شان بنا کر آتے تھے۔(۱) اور یہی سنت ہے انبیاء علیہ السلام کی۔ ہر پیغمبر تشریف لا کر پہلے اپنے سے باہم زمانہ نبی کی تعریف و تصدیق کرتا۔ جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اپنے زمانہ میں رحمت دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری دیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد جملہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق فرماتے ہوئے امت کو تعلیم دی کہ ہم تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام کو برحق سمجھتے ہیں۔ اور سب صحف و کتب سماویہ کو سچا مانتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا۔ آمنت باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ

مولانا محمد بخش بلوچ کی قدر افزائی

۱۳۷۴ھ، ۱۹۵۴ء راقم غلام احمد نے حضرت امیر شریعت، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی جیسے اکابر اور مفتی غلام قادر صاحب جیسے مقامی علماء کرام اور روؤساء حاجی میاں پیر بخش صاحب جلہ جیسم، میاں جمال محمد صاحب ارائیں جلہ جیسم، میاں سردار محمد صاحب لگری، خورد واہل جلہ جیسم کے ایماء پر مدرسہ "خدام القرآن" جلہ جیسم کی بنیاد رکھی۔ ابتدائی ایام میں ابھی میلسی، کہروڑ پکا، ٹبہ سلطان پور جیسے قصبات میں "دارالعلوم دیو بند" کے طرز پر کوئی منظم مدرسہ اور ادارہ نہیں تھا۔ ویسے

۲۔ بہت کم لوگوں نے اس عزت افزائی کی لاج رکھی ورنہ اکثریت نے اصاغر نوازی کا غلط فائدہ اٹھایا اور دین کی خدمت کرنے کی بجائے اپنی شخصیت سازی کے مکروہ کاروبار میں مبتلا ہوگئے۔ (مدیر)

منفرد علماء کرام آس پاس کے مقامات میں موجود تھے۔ کہروڑ پکا میں حضرت مفتی عبدالرحمن صاحب تھے۔ مجلس احرار اسلام کے بہت سے قابل ذکر ورکر اور جید کارکن حاجی نور محمد چوہان مرحوم چوک بخاری مسجد تالاب والی موجود تھے۔ "ویرسی واہن میں" مولانا شرف الدین صاحب، صوفی نور محمد مستری، "رائے واہن" میں حضرت صوفی احمد یار صاحب بزرگ تھے۔ لگری کلاں میں مولانا عبدالغفار صاحب، محبت پور میں مولانا عاشق محمد صاحب، "ملکو بستی" میں مولانا غلام نبی صاحب، بستی "چک بسی" میں مولانا عطاء محمد صاحب، میلسی شہر میں حضرت مولانا محمد بخش صاحب بلوچ جو چالیس سال سے مسجد مائی والی میں اپنے انفرادی مدرسہ میں بہت سے طلباء کو تعلیم دے رہے تھے۔ مولانا محمد بخش (مرحوم) کے مدرسہ مسجد مائی والی میں ۱۳۶۷ھ، ۱۹۴۷ء کے دوران مولانا فیض احمد صاحب مہتمم مکتبہ امدادیہ ملتان مفتی کلیم اللہ صاحب مہتمم تعلیم القرآن میلسی مولانا غلام سرور مرحوم استاذ خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی، تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس عالم باعمل مولانا محمد بخش صاحب بلوچ سے حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ بہت محبت فرماتے تھے۔

مولانا موصوف ۱۳۷۵ھ، ۱۹۵۵ء میں بیمار ہوئے۔ ان پر فالج کا حملہ ہوا تو شاہ جی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود خود فالج اور شوگر وغیرہ کے امراض سے سخت ضعف اور چالیس سالہ دینی و قومی خدمات سے لاحق تھکاوٹ کے باوجود حکیم حافظ محمد حنیف اللہ صاحب کو دو مرتبہ ملتان سے میلسی لائے اور سب مصارف علاج معالجہ خود برداشت کئے۔ علاقہ میلسی کے اطراف کی تمام مذہبی شخصیات نے بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ شاہ جی ایک غریب اور سادہ، درویش منش عالم دین کی عیادت کے لئے باوجود اپنی بیماری کے تشریف لائے اور مولانا مرحوم کی سرپرستی فرمائی۔ جو مولانا محمد بخش صاحب کی سعادت تھی۔ حضرت مولانا محمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راقم "غلام احمد" کو اپنی بیماری کے ایام میں مسجد مائی والی اور مدرسہ کی خدمت بحیثیت "نائب وقائم مقام" ہونے کے سپرد فرمائی۔ اور مسجد میں جمعہ کے دن بوجہ بیماری و کمزوری چارپائی پر لیٹ کر مقتدیوں کو وصیت فرمائی کہ "مولوی غلام احمد میرا روحانی بیٹا ہے۔ اور اطاعت گزار ہے۔ اس کو میں اپنی جگہ مسجد اور مدرسہ کی نیابت سپرد کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ تعاون کرنا"۔

انہیں ایام میں مولانا کی بیماری اور علاج کے سلسلہ میں حضرت شاہ جی کی خدمت میں مولانا مرحوم کی رفتار صحت کی اطلاع دینے کے لئے ملتان اُن کے مکان پر حاضر ہوا۔ حضرت شاہ جی نے مجھ سے مولانا محمد بخش صاحب کی صحت کے بارہ میں معلوم فرمایا۔ میں نے واقعہ کے مطابق قدرے صحت و تندرستی کی اطلاع دی۔ خیریت سنتے ہی بہت خوش ہوئے۔ والہانہ محبت کے انداز میں فرمانے لگے "معلوم نہیں کہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے؟ میں جو مولانا محمد بخش کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔ وہ میرے دل سے نہیں نکلتے۔ اس لئے کہ وہ "بڑے عالم" ہیں اور میں علماء کا قدردان ہوں"! اس دوران راقم نے عرض کیا۔ "حضرت آپ کا مکان کرایہ پر ہے۔ آپ نے اپنا کوئی مکان الاٹ نہیں کرایا۔" اس پر شاہ جی نے ارشاد فرمایا۔ "بیٹا! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود دار ہوں۔ سیّد ہوں، اکابر علماء دیوبند کا خادم ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں کسی سے سوال کروں" مزید فرمایا "بیٹا! آپ مولوی ہیں۔ میں اگر آپ کو خط لکھوں تو آخر میں لکھ سکتا ہوں "فدوی عطاء اللہ" مگر کسی ڈپٹی

کمشنر اور وزیر کو یہ لکھوں کہ "میری درخواست ہے۔ میں "فدوی عطاء اللہ ہوں "میری غیرت برداشت نہیں کر سکتی"۔ حضرت شاہ جی ایسے زاہد، عابد، مجاہد، سچے عالم دین، محافظ، ختم نبوت جن کی صفات کریمہ سے برصغیر کے تمام علماء کرام بخوبی واقف ہیں۔ میں کیا ہوں اور ان کے لئے کیا لکھ سکتا ہوں؟ اپنے آپ کو خود جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائیں۔ (آمین) "غریب کی بے مثال ہمت افزائی" حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے قدیم قریبی احباب اور بعد والے متعارفین جانتے ہیں کہ شاہ جی بڑے بڑے سرمایہ داروں کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ مگر اپنے غریب اور سادہ محبین سے مختصر ہدیہ بھی بخوشی قبول فرمالیتے تھے۔ چنانچہ جلہ جیم کے ایک سادہ منش امام مسجد مولوی "محمد یعقوب" نامی جو تاحال حیات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "حضرت شاہ جی نے مجھ سے ایک چونی کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ اور اس کو آنکھوں پر رکھ لیا تھا" اس طرح کے کئی واقعات حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سیرت نگاروں نے لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔!

زندگی

جدوجہد سے عبارت ہے۔ اسے ہم روح کا لباس بھی کہہ سکتے ہیں۔

انسان

لباس کے معاملہ میں مجاز ہے۔ اُجلا رکھے یا میلا کر دے۔

برائی بہرحال برائی ہے۔ جو انسان دوسرے کا بُرا چاہتا ہے وہ گویا اپنے یا اپنی اولاد کے لئے بدی کاشت کرتا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری
دفتر احرار لاہور
دسمبر ۱۹۴۳ء

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہ

طلباءِ عزیز

ہمارا اور آپ کا مستقبل یہ ہے کہ ہم اپنے والدین کی حسین امنگوں کا دلاویز شاہکار ثابت ہوں۔ ان کے خوابوں کی خوبصورت تعبیر بنیں اور انکی نیک خواہشوں کی تکمیل کریں۔ زیورِ علم سے آراستہ ہوں امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کریں سامراجی تہذیب و تمدن سے جسم و روح کو بچائیں، سرمایہ پرستوں اور سوشلسٹوں کے ظلم و جبر اور کفر کے پھندوں سے بچیں۔ دنیا و آخرت کی فلاح ملک و ملت کے تحفظ اور بقا، اللہ و رسول کی خوبصورت بنیادوں پر دینی انقلاب کی جدوجہد کریں۔

ہمارا مقصد مکمل اسلامی نظامِ تعلیم کا نفاذ ہے۔ ہمارا نصابِ تعلیم قرآن و حدیث و فقہ و تفسیر سے آراستہ کیا جائے۔ ہماری منزل حکومتِ الٰہیہ کا قیام، ہماری جدوجہد دینی شعور کی بیداری

ہم چاہتے ہیں کہ (۱) مخلوط نظامِ تعلیم ختم کیا جائے۔ (۲) عورتوں کیلئے الگ کالج اور یونیورسٹیاں بنائی جائیں۔ (۳) لارڈ میکالے کے بنائے ہوئے نظامِ تعلیم کو ختم کیا جائے۔

ہماری تنظیم: توحید و ختمِ نبوت اور اسوۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روشنی میں طلباء کے اجماعی عقائد اور قومی حقوق کے تحفظ کی علمبردار ہے۔

ہمارا راستہ: اللہ کا راستہ ہے، حکومتِ الٰہیہ کی مقدس منزل کا راستہ ہے۔

ہمارے محاذ: دشمنِ خدا، و دشمنِ رسول و دشمنِ ازواج و اصحابِ رسول ﷺ ان کے علاوہ کسی بھی فروعی اختلاف رکھنے والے کسی فرقہ سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔

آئیے اور فیصلہ کیجئے کہ آپ آج بیکار نہیں بیٹھیں گے اور ۴۷ء، ۴۹ء، ۶۵ء اور ۷۱ء کے شہداء کے پاکستان کو قول و قلم اور فکر و عمل کی سچی اور سچی قوتوں سے غلامانِ محمد ﷺ کا پاکستان بنائیں گے۔ اللہ کی حاکمیت کا بول بالا کریں گے اور حکومتِ الٰہیہ قائم کریں گے

ہے سربسر تباہی انسان کی حکومت
قائم کرو جہاں میں قرآن کی حکومت

تحریکِ طلباءِ اسلام پاکستان مرکزی دفتر: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

اقلیم خطابت کا شہنشاہ

تو کہ اقلیم خطابت کا شہنشاہ بھی تھا
اک قلندر کی طرح مردِ خود آگاہ بھی تھا
ایک درویش خدا مست و بہی خواہ بھی تھا
ہمرہِ تیغ زباں سید جنگاہ بھی تھا
تونے مجبور زبانوں کو نوا دی جس دم
انقلابات کے تذکار تھے گردن زدنی
جس نے آزاد فضاؤں کا کبھی نام لیا
اس پہ ہر وقت ہی تیار تھی نیزے کی انی
لوحِ تاریخ پہ کندہ تیری عظمت کے نقوش
تونے یخ بستہ عزائم کو حرارت بخشی
خال و خد ملت ترساں کے سنوارے تونے
حریت کیش رفیقوں کو جسارت بخشی
عرصۂ جُہد کو پُرکیف کیا تھا تونے
چشمۂ علم کو عرفان دیا تھا تونے
تختِ افرنگ کی زنجیر غلامی کاٹی
ملتِ پاک کا ہر چاک سیا تھا تونے

سید محمد یونس بخاری

اقبال اور بخاری

باری علیگ

حیات ملی کی تصویر کے دو رخ

میری تمام عمر اسلامی علوم کے مطالعہ میں صرف ہوئی ہے۔ (اقبال)

میں جب سے میدان سیاست میں اترا ہوں اپنی کتابوں کی گرد تک نہیں اتار سکا۔ (بخاری)

دو سال پیشتر ملت کی اس آواز کے ذریعہ میں نے بزرگوں اور جوانوں کو علامہ اقبال کے عنوان سے ایک پیام بھجوایا، وہ پیام کسی بیرونی تاثرات کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ دلی جذبات کا اظہار تھا میں نے لکھا تھا۔

اے مشرق کے مایہ ناز فرزند اے روحانیت کے پتلے اے خود داری کے مجسمے کیا تجھے بھی مینائے فرنگ کی شراب نشۂ غلامی میں سرشار رکھے گی؟ اے اقبال تیری تصانیف اطراف عالم میں پھیلیں۔ السنہ عربیہ میں ان کے تراجم ہوئے تیرا کلام دنیا کے کتب خانوں کی زینت بنا (مشرق میں) بادشاہ جمہوریت کا صدر، وزیر تعلیم، پولیس کا سپاہی فوج کا جرنیل، عسکری، دہقان مزدور سب کے سب تیری انقلاب انگیز تعلیم سے یکساں متاثر ہوئے مگر تو ان سب کو بیدار کر کے خواب ناز میں سو گیا۔ کیا یہ تیری کم شہرت تھی اگر تیرے خرمن ہوس میں چند مزید دانوں کی جگہ تھی تو ہمیں کہتا کہ تجھے اپنے ملک کا نہیں بلکہ اپنے دلوں کا بادشاہ بناتے۔۔۔۔۔۔ اقبال! پیارے اقبال بے وفا اقبال خود دار بن اٹھ مغرب پرستی کو چھوڑ، میدان عمل میں آ کہ تیرے ترانہ ہائے انقلاب نے نوجوانوں کے دلوں میں آگ لگا دی ہے۔ وہ موت کو غلامی کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں تجھے چاہیئے تھا کہ سیاہ جُبہ میں ملبوس ہو کر قریہ بہ قریہ خودداری، عمل و آزادی کے ترانے اپنی دلکش آواز سے گاتا اور پھر دیکھتا کہ زنان مصر کی طرح فرزندان ہند یوسفِ پنجاب کے حسن سے مسحور ہوئے ہیں یا نہیں۔

اقبال تو صیاد ہے تو نے نوجوانوں کو اپنے اشعار کے جال میں پھانس رکھا ہے نہ تو انہیں آزاد کرتا ہے اور نہ انہیں رشتۂ پیار کے کسی قفس میں بند کرتا ہے۔

بخاری کو رئیس الاحرار[2] نے "ساحرِ پنجاب" کہا تھا۔ ان کی مصلحت اندیش عقل نے شمالی ہند کے سب سے بڑے مقرر کو سمجھنے میں دھوکا نہیں کھایا یقیناً بخاری ایک ساحر مصلح ہے جو حق و صداقت کی جادو بیانی سے لوگوں کے دلوں کو مسحور کر دیتا ہے وہ اپنے اقوال سے مجلس احرار اسلام کے بدترین دشمن کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔ وہ اپنے افعال سے منہ پھٹ اور دریدہ دہن مخالفوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر سکتا ہے۔ نپولین کی ترقی کا راز اس کے اقوال تھے لیکن بخاری کی ترقی کا راز انکے اقوال اور افعال دونوں ہیں وہ ایک ہی وقت میں امام شریعت اور عساکر اسلامیہ کا سپہ سالا ہے وہ آزادی کامل کا علمبردار ہوتے ہوئے بھی مسلم حقوق کا پاسبان ہے۔ وہ تاتاری شجاعت اور آل حسینؓ کی شرافت کو پہلو بہ پہلو لئے ہوئے ہے۔ وہ فکر سیاسیہ کے ساتھ ساتھ جذبہ حربیہ کی بھی پرورش کرتا ہے۔ وہ قرون اولی کے اسلامی مجاہدین کی ایک یادگار ہے۔

۱۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ یادگار شہید نمبر ۷ا رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۱۸ شمارہ ۲۵۳) ۲۔ مولانا محمد علی جوہرؒ

سیاسی غلامی کا لازمی نتیجہ تمدنی، معاشرتی، اخلاقی اور ذہنی غلامی ہوتا ہے۔ قومیں غلام ہو کر احساس خودداری کھو بیٹھتی ہیں۔ حکمران قوم اسے مفلوج تصور کرتے ہوئے اپنے مظالم کی فہرست میں اضافہ کرتی ہے۔ جس کا ردِ عمل احساس زیادہ ہوتا ہے برسوں کے بعد احساس تخیل کی صورت لیتا ہے۔ آخر کار کسی مردِ مجاہد کی ہمت سے تخیل کی جگہ عمل لے لیتا ہے۔ سطحِ ارضی پر جس قوم نے خیالی انسان اور مردِ مجاہد کو پہچان لیا اور اس کا تتبع کیا وہ دنیا میں غلام نہ رہ سکی خیالی انسان اور مردِ مجاہد کا ظہور اکثر ایک ہی زمانہ میں ہوتا ہے بعض دفعہ دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ بھی ہوتا ہے۔

جب فرانس کو روسو اور نپولین، المانیہ کو گوئٹے اور بسمارک، اطالیہ کو میزینی اور گیری بالڈی، روس کو ٹراٹسکی اور لینن، ٹرکی کو خلیل اور کمال اور مصر کو محمد عبدہ اور مہدی سوڈانی نصیب ہوئے تب لوگوں نے ان کے افعال اور اقوال کی پیروی کی اور آزادی کی نعمت سے مالامال ہوگئے بد نصیب افغانستان نے جمال الدین اور امان اللہ کے اقوال و افعال ان کی گفتار و کردار کی جب پرواہ نہ کی تباہ و برباد ہوگیا۔ قدرت ہر ملک و ملت میں ایسے اصحاب پیدا کرتی ہے۔

قدرت نے اس تخیل اور عمل کی بانٹ میں پنجاب کو کیا دیا؟

اے پانچ دریاؤں کی سرزمین! ناز کر کہ تجھے اقبال اور بخاری ملے ہیں اے پنجاب کے نوجوان اپنے ذہنی ارتقاء کے لئے اقبال کا مطالعہ کر اور اپنی قوت عملیہ کو بڑھانے اور اپنے سینہ کے اندر نفس گرم پیدا کرنے کیلئے بخاری کے افعال کا تتبع کر کے اکھاڑے میں آ۔ اے پنجاب کے نوجوان! تو "بانگ درا" کا مطالعہ کر اور مجلس احرار اسلام میں شامل ہو جا۔ اقبال اور بخاری پنجاب کے دو اطبا ہیں روحانی امراض کو دور کرنے کے لئے احرار کا رکن بن جا۔ اقبال کے شفاخانہ میں فکری تباہی اور سیاسی جمود کا مؤثر علاج ہے تو بخاری کے یہاں روحانی تربیت، دینی غیرت اور حریت فکر کا سبق موجود ہے۔

ازل سے فطرت احرار میں ہے دوش بدوش
قلندری و قبا پوشی و کلہ داری
(اقبال)

اک مردِ صد صفت

تقدیس کے لغت میں خدا کا ولی ہے تو — دیباچۂ حیات میں حرفِ جلی ہے تو
گفتار میں عرب کی بلاغت لئے ہوئے — کردار میں عجم کی جلالت لئے ہوئے
سوچوں میں سوز شمع خلافت لئے ہوئے — دھڑکن میں سازِ عشقِ رسالت لئے ہوئے
اک مردِ صد صفت کہ جماعت کہیں جسے — ایسا فقیر امیرِ شریعت کہیں جسے
میرا نسب یہی ہے یہی میرا نام ہے — جو عاشقِ رسول ہے، میرا وہ امام ہے

انور جمال